اسلام میں
عورت کی گواہی آدھی نہیں
ڈاکٹر سیّد محمد انور

بسم الله الرحمن الرحيم

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ

میں گواہی دیتاہوں / گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اور میں گواہی دیتاہوں / گواہی دیتی ہوں کہ بیشک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

Islam Main Ourat Ki Gawahi Aadhi Nahi
Author: Dr. Syed Mohammad Anwer

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نامِ کتاب	:	اسلام میں عورت کی گواہی آدھی نہیں
مصنف	:	ڈاکٹر سیّد محمد انور
ایڈیشن	:	ثانی، مارچ ۲۰۱۶ء
ناشر	:	وحدت فاؤنڈیشن۔ اسلام آباد

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ

ابتدائیہ

پیش لفظ ۸
تقریظ ۹
تمہید ۱۳

باب اوّل
شہادت کی تعریف

شہادۃٌ کے لغوی معنی ۲۱
شہادۃٌ کے اصطلاحی مفہوم ۲۸
شہادۃٌ کی تعریف مختلف مکاتب فکر کی نظر میں ۲۹

باب دوم
اسلام میں کسی امر کے ثبوت کے طریقے اور عورت کا مقام

۱. اقرار ۳۳
۲. شہادت ۳۴
۳. قسم ۳۵
۴. قرائن ۴۰

باب سوم
شہادت سے متعلق چند اہم اصلاحات اور عورت کی گواہی

۱. تحمل شہادت ۴۸
مخصوص معاملات میں ایک عورت کی گواہی کی مصلحت ۵۲
۲. اَدائے شہادت ۵۴
ادائے شہادت اور شاہد کے جسمانی اوصاف ۵۵
اَدائے شہادت اور قوتِ بصارت ۵۶

ادائے شہادت اور قوتِ گویائی ۵۶
ادائے شہادت اور قوتِ سماعت ۵۷
ادائے شہادت اور بلوغت ۵۷
ادائے شہادت اور پاگل پن ۵۷
اَدائے شہادت اور عقل ۵۸
۳. گواہ کی اہلیت ۶۶
خائن مرد یا عورت ادائے شہادت نہیں کرسکتے ۷۱
شاہد کے غیر جسمانی خواص سے متعلقہ ادائے شہادت کی شرائط ۷۷
ادائے شہادت کے لیے دیگر عدالتی و شرعی لوازمات ۸۰
مقدمہ کی نوعیت کا ادائے شہادت پر اثر ۸۲
ادائے شہادت اور قبولیت شہادت میں فرق: ۸۳

باب چہارم

قرآن وسنت اور شہادت

شہادت حق یا استحقاق نہیں بلکہ ایک ذمہ داری ۸۶
عدالتی شہادت سے متعلق قرآن میں حکم اجمالی نوعیت کا ہے ۹۰
بحق شہادت قرآنِ کریم کا عمومی حکم اور ایک خصوصی حکم ۹۵
قرآن کریم میں شہادت کا عمومی حکم اور شہادت کو چھپانے والے کے لیے عمومی وعید: ۱۰۰
شہادت پر قائم رہنے والوں اور جھوٹی گواہی نہ دینے والوں پر اللہ کا انعام ۱۰۴
دیوانی نوعیت کے معاملات میں بھی قرآن کریم نے عورت اور مرد کی گواہی میں کوئی تخصیص نہیں کی .۱۰۸

باب پنجم

عورت کی گواہی کے متعلق علماء کی آراء

علماء کرام کا پہلا گروہ اور اس کی رائے ۱۱۲
علماء کرام کے دوسرے گروہ کی رائے ۱۱۴
علماء کے ایک اور طبقہ کی رائے: ۱۱۶
علماء کے چوتھے طبقے کی رائے ۱۱۶

حدود کے معاملات میں عورت کی گواہی کے قرآنی دلائل ۱۱۸
اسلام میں گواہ کا کردار زیادہ اہم ہے یا کہ جنس؟ ۱۲۱
عقل ودین کے نقصان سے کیا مراد ہے؟ ۱۲۶
دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے مساوی ہے کیا یہ عمومی حکم یا کہ استثنائی؟ ...۱۴۶

باب ششم

شہادت کی اقسام

ا۔ واقعاتی گواہ: ۱۷۲
۲۔ دستاویز پر حاشیہ کی گواہی: ۱۷۲
حقوق اللہ اور حقوق العباد میں شہادت کا فرق ۱۷۴

اختتامیہ

اختتامیہ ۱۷۹
شخصیات ۱۸۳
شخصیات ۱۸۵

ابتدائیہ

دوسرا ایڈیشن

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا تھا۔ لہٰذا اتنا عرصہ گذر جانے کے بعد دوسرے ایڈیشن کی ضرورت کافی عرصہ سے پیدا ہوچکی تھی۔ کئی علمی اور تحقیقی حلقوں سے اسکا تقاضہ بھی ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ جب پہلا ایڈیشن شایع ہوا تھا تو اس وقت اردو کمپوزنگ میں اتنی ترقی نہیں ہوئی تھی جتنی کہ آج ہوچکی ہے۔ اس وقت کمپوزنگ میں کئی حدود وقیود موجود تھیں مثلا آیات یا احادیث کو نستعلیق خط کے درمیان عربی رسم الخط میں نہیں لکھا جاسکتا تھا جس کی وجہ سے عام قاری کو عربی عبارت نستعلیق خط میں ہونے کی وجہ سے پڑھنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ لہٰذا اغلاط کا احتمال بھی زیادہ تھا۔ نیز فٹ نوٹ کی صورت حوالہ جات دینا بھی کافی دشوار تھا۔ آج الحمد للہ اردو کمپوزنگ میں ترقی اور جدّت کی وجہ سے کمپوزنگ کی سابقہ قباحتیں دور ہوگئی ہیں۔ لہٰذا موجودہ ایڈیشن کتابت کے اعتبار سے پہلے ایڈیشن کی نسبت زیادہ دلکش ہے۔

موجودہ ایڈیشن میں حوالہ جات بھی مکمل تفصیل کے ساتھ شامل کئے گئے ہیں۔ نیز کتاب کے آخر میں "شخصیات" کے عنوان سے چند صفحات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ جس میں ان ائمہ اور اکابر علماء کا انکے مسلک کے حوالہ سے تعارف کرایا گیا ہے جن کی آراء کو اس کتاب میں حوالہ کے طور پر کہیں نہ کہیں استعمال کیا گیا ہے۔ جس کی مرکزی وجہ یہ ہے کہ عام قاری کو کسی بھی مذکورہ رائے کو جاننے میں آسانی

ہو جائے کہ فلاں رائے فلاں مکتبہ فکر کے علماء کی ہے۔ یا یہ کہ کون سے عالم کس مکتبہ فکر کے پیروکار تھے۔

اس ایڈیشن میں یہ مکمل کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کے مضمون کو سمجھنے میں قارئین کو کمپوزنگ کی وجہ سے کہیں دشواری نہ آئے۔ اس کے باوجود اگر کسی قاری کی نظر سے کوئی کمی یا کوتاہی گزرے تو وہ ادارہ کو ضرور مطلع کریں۔

مدیر

وحدت فاؤنڈیشن

۲۳ مارچ ۲۰۱۶ء - اسلام آباد

پیش لفظ

اسلامی قانون کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے اور یہ اس مجموعی نظام کاایک حصہ ہے جو انسانیت کی دین اور دنیا کا ضامن ہے۔

بعض غیر اسلامی افکار اور نظاموں کی طویل عمل داری نے وہ اصل نقشہ دھندلادیا جس کی روشنی فلاح کے راستے اجاگر کرتی ہے۔اسلامی انصاف میں شہادت اور اس کا معیار بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اور شہادت کے شعبہ میں خواتین کی شہادت کس نتیجہ تک پہنچتی ہے یہ ایک اہم باب ہے۔

ڈاکٹر سید محمد انور صاحب نے اس مضمون کے تمام اہم پہلوں کواجاگر کرکے ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ انداز بیان میں ایک واضح اور تحقیقی رنگ ہے۔ ان کی یہ کاوش اسلامی نظام انصاف کے لیے اہل دانش، منصف حضرات اور وکلا کے علاوہ حق کے متلاشی عام قاری کے لیے بے حد مفید ثابت ہو گی۔

راجہ محمد ظفر الحق

سیکرٹری جنرل مئوتمر عالم اسلامی

تقریظ

جب کوئی شخص کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور اسے سزا دلوانے کے لیے عدالت میں پیش کیا جاتا ہے تو اس امر کا ثبوت بھی پیش کیا جاتا ہے کہ اس نے واقعی جرم کیا ہے۔ اگر یہ ثبوت عدالت کے ذہن میں یقین کا رجحان پیدا کر دے تو مجرم کو سزا دے دی جاتی ہے، بصورت دیگر اسے بری کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح جب کوئی شخص دوسرے کے حق کو ضرر پہنچاتا ہے اور یہ متضرر شخص داد رسی کے لیے عدالت میں آتا ہے تو دونو فریق اپنے اپنے موقف کے حق میں ثبوت پیش کرتے ہیں۔ جس فریق کا پیش کردہ ثبوت عدالت کے ذہن میں یقین کا رجحان پیدا کرے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ صورت حال اسلامی قانون شہادت کی بنیاد ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی قانون شہادت کی رو سے مروجہ ثبوت قابل قبول ہے جو عدالت کے ذہن میں یقین کا رجحان پیدا کرے خواہ یہ ثبوت اقرار کی صورت میں ہو، خواہ گواہوں کی شکل میں یا پھر حلف کے ذریعے پیش کیا جائے۔ قرائن کی صورت میں اسلامی قانون شہادت ثبوت کو کسی خاص صورت و شکل میں محدود نہیں کرتا۔

جب ثبوت گواہوں کی شکل میں پیش کیا جائے تو اسلامی نکتہ نظر سے گوہوں کے اعتبار کا معاملہ اولیت رکھتا ہے۔ گواہ کے اعتبار کا فیصلہ کرنے کے لیے اس کی جسمانی اہلیت اور کردار کے علاوہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے سے یا کسی دوسرے سے کسی ضرر کے دفیعہ یا اپنے لیے یا کسی دوسرے کے لیے کسی نفع کے حصول کے

لیے شہادت دینے آیا ہے۔ جب جسمانی اہلیت کا سوال درپیش ہو تو مرد اور عورت کی شہادت میں مساحلت یا عدم مساحلت کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ بعض اہل علم عورتوں کی شہادت کو مرد کی شہادت کے مقابلہ میں کم معتبر تصور کرتے ہیں۔اور بعض اہل علم دونوں کی شہادت کو ہر لحاظ سے برابر سمجھتے ہیں۔ جبکہ بعض اہل علم ان دونوں انتہائوں کو بین بین کی صورت میں تجویز کرتے ہیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اسلام سے قبل عرب معاشرے میں عورتوں کا مرتبہ مرووں کے مقابلہ میں فروتر تھا اور عورتوں کی معاشرتی زندگی مردوں کی نسبت ایک محدود دائرے میں گردش کرتی تھی، اس وجہ سے عورتیں معاملات میں کم دخیل ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات اور فیصلوں میں عورتوں کی شہادت کے قانونی تصور میں برابری قائم رکھی۔ تاہم عہد صحابہ کے بعد جہاں زندگی کے کئی دیگر میدانوں اور شعبوں میں وہ ہی جاہلی تصورات عود کر آئے، وہاں عورت کے مقام کے بارے میں وہ ہی جاہلی خیالات دوبارہ لوٹ آئے۔ لیکن اب ان خیالات کو آیات کے ذو معنی طرز بیان سے تائید مل گئی۔ چنانچہ قرآن کریم کی بعض آیات مبارکہ اور بعض احادیث نبویہ کو عورت کی شہادت کے اعتبار کو کم کرنے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔اس سلسلہ میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۲ قابل ذکر ہے۔

مذہبی آراء میں تقلید کے رجحان نے اجتہاد کی روح کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کی شہادت پر شکوک و شبہات کے سائے گہرے ہوتے

گئے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان شکوک و شبہات کو حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کی۔ اور ان کی شہادت کو ہر لحاظ سے معتبر قرار دیا۔ لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز اس قدر نحیف تھی کے بے اثر رہی۔

موجودور میں جہاں زندگی کے ہر میدان کو علم کی روشنی نے منور کیا، مذہبی خیالات اور تصورات بھی اس روشنی سے متاثر ہوے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ کئی اہل علم نے مذہبی خیالات اور افکار کی تشکیل جدید پر غور کرنا شروع کر دیا، اسی رجحان سے قانون شہادت متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور اس نے عورت کی شہادت کو نئے سرے سے تشکیل دینے کا احساس دلایا۔

اس سلسلہ میں کئی اہل علم نے قلم اٹھایا۔ ان میں زیادہ تر ایسے لوگ تھے جو عہد جدید میں عورتوں کی آزادی و ترقی کے شدید رجحان سے متاثر ہوئے اور انہوں نے اسی حوالے سے گفتگو کی۔ لیکن انہوں نے قرآن و سنت اور فقہی دلائل کو یکسر نظر انداز کیا۔ لہذا ان کی تحریریں اہل علم کو متاثر کرنے میں ناکام رہیں۔ جن اہل فقہ نے اسلام کے دلائل کی مدد سے عورت کی شہادت کے اعتبار کو اجاگر کیا ان میں سید محمد انور قابل ذکر ہیں۔ ان کی زیر نظر تصنیف اس لحاظ سے ممتاز حیثیت رکھتی ہے کہ انہوں نے آیات اور احادیث پر بطور خاص خامہ فرمائی کی جن سے عورت کی شہادت کو مرد کے مقابلے میں نصف یا غیر معتبر تصو کیا جاتا ہے۔ انہوں نے نہایت مؤثر طریقے سے اور کامیابی کے ساتھ ان آیات اور احادیث کے اس مفہوم کو اجاگر کیا جو قرآن و سنت کی تعلیم سے ہم آہنگ ہے اور عورت کی شہادت کو غیر معتبر ثابت

کرنے کے مفہوم کی غیر دینی اور غیر عقلی حیثیت واضح کی۔ انہوں نے اختلافی امور کی شدت بڑھانے کے بجائے اسے اس قدر کم کیا کہ معتقدین، مفسرین اور فقہائے کرام کی فقاہیت کم نہیں ہوتی۔ انہوں نے متنازعہ آیات اور احادیث کے ایسے نئے مفاہیم اختیار کئے ہیں جنہیں تسلیم کرنے سے عقل عامہ انکار نہیں کرتی بلکہ یہ مفاہیم دل پذیر اور متاثر کن ہیں۔

امید ہے کہ سید محمد انور کی یہ کوشش عورت کی شہادت کے اعتبار کو بحال کرنے میں اہم کردار ادا کرے گی۔

(ڈاکٹر عبدالمالک عرفانی)

سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

تمہید

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم. اما بعد:

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور اس کا دین دینِ حق ہے جو کہ تمام انسانوں کے لیے رحمت اور ہدایت ہے۔ کتاب اللہ میں کوئی ایسی بات نہیں جو کے مرور زمانہ سے قدیم یا نا قابل عمل ہو جائے۔اس کے ہر مسئلے میں بے انتہاء حکمتیں مخفی ہیں جن کو ہماری عقلیں کبھی بھی سمجھنے سے قاصر رہتی ہیں۔

موجودہ دور میں یہ بات بد قسمتی سے بہت عام ہوتی چلی جارہی ہے کہ ہر کوئی دین کے مسائل میں رائے دہی کرتا ہے اور بسا اوقات تو لوگ اس قدر ظلم کی حد تک بڑھ جاتے ہیں کے دین کے صریح احکامات سے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔ شیطان انسان پر کن کن اطراف و اطوار سے وار کرتا ہے، انسان اس کا ادراک و تدارک نہیں کر سکتا یہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نعمت اور اس کی ہدایت ہے جو انسانوں کو شیطانی حملوں اور اس کے واروں سے محفوظ رکھتی ہے۔

یہ بات درست ہے کہ دین پر کسی کی اجارہ داری نہیں لیکن پھر بھی دینی معاملات میں رائے دہی سے قبل ہمیں یہ امر ملحوظ خاطر رکھنی چاہیئے کہ ہم دین کے معاملے میں اپنی رائے دینے کے کتنے حقدار ہیں؟

مشاہدہ میں یہ بات آئی ہے کہ دین حق اتنا مظلوم ہے کہ ایسے لوگ جو کہ دین کی ابجد سے بھی ناواقف ہیں وہ بھی دقیق دینی مسائل کے متعلق جب رائے

دیتے ہیں تو اپنے آپ کو ابقری سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے بر عکس عجیب بات یہ ہے کہ ہمیں کسی اور معاملے میں لوگوں کا یہ رویہ نظر نہیں آتا مثلاً ایک شخص جو کہ انگریزی کی ABC سے بھی واقف نہ ہو لیکن شیکسپیئر (Shakespeare) کے ڈراموں پر تنقید کرتا ہو ؟ یا کسی اور شعبہ کی ابجد سے ناواقف ہو اور اپنی رائے دیتا نظر آئے۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے۔ آمین !

ہماری اس زیر نظر تحریر کا موضوع صرف عورت کی گواہی تک محدود ہے۔ ویسے تو اس کے عدالتی نظام میں گواہی کا باب بہت تفصیل سے موجود ہے لیکن اس کے باوجود ہم اس تاریخی حقیقت سے بھی رو گردانی نہیں کر سکتے عورت کی گواہی کے مسئلے میں قرون اولیٰ سے ہی ہمیں صحابہ، تابعین، تبع تابعین ائمہ کرام اور خصوصاً ائمہ اربعہ اور دیگر فقہاء عظام کے اقوال میں اور ان کے افکار میں اختلاف نظر آتا ہے۔ اس وقت ہم ان تمام مختلف آراء کو زیر بحث نہیں لانا چاہتے بلکہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ شروع زمانہ سے ہی عورت کی گواہی کا مسئلہ ایک اجتہادی مسئلہ رہا ہے اس امر کی وضاحت تاریخی شواہد سے ہوتی ہے کہ مسئلہ نہ صرف اجتہادی نوعیت کا ہے بلکہ اکثر اس کا فیصلہ زیر بحث معاملہ کے مخصوص حالات اور واقعات کو پیش نظر رکھ کر بھی کیا جاتا رہا ہے۔

عورت کی گواہی سے متعلق چند پہلوؤں پر تو قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ کی واضح نصوص موجود ہیں لیکن ان نصوص سے فروعی مسائل کے

استنباط میں علماء کرام میں اختلاف ہے۔ یوں یہ بات کہنا درست ہو گی کہ اس مسئلہ کا کوئی واضح اور متفق علیہ حکم موجود نہیں ہے۔

موجودہ دور جو کہ قرون اولیٰ سے معاشرتی لحاظ سے بلکل مختلف ہے ہم سے اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم اس دور کی معاشرتی ضروریات اور تغیرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے درپیش مسائل کا اسلامی حل بیان کریں۔

یہ ذمہ داری اس دور کے علماء کرام پر عائد ہوتی ہے کہ وہ آج کی دنیا کو یہ بتائیں کہ ان مسائل میں جو کہ قرآن وسنت کی نص قطعی سے ثابت ہیں۔ اور ان مسائل کی حقیقت میں کیا فرق ہے جو کہ پانچویں صدی ہجری کے بعد سے آج تک تقلید محض کے اس دور میں جوں کے توں مانے جارہے ہیں۔

یہاں پر ایک بہت اہم بات کو زیر غور رکھنا ضروری ہے کی آج ہم یہ بات ہر گز نہیں کہہ سکتے کہ علماء متقدمین نے دین نہیں سمجھا یا یہ کہ اگر کسی مسئلہ پر ان سب علماء کی ایک جیسی رائے ہے تو بھی آج کے اس دور کے علماء کے لیے یہ بات بہت مشکل ہے بلکہ ناممکن کے قریب ہو گی کہ ان اکابر کی آراء سے اختلاف کیا جائے کیونکہ یہی وہ روشن چراغ ہیں جنہوں نے شجر اسلام کو اپنے خون سے سینچ کر اس کی آبیاری اور اسے پروان چڑھایا۔ اور ویسے بھی "خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ"[۱] کے کلیہ کے تحت وہ لوگ ہم سے بہت زیادہ متقی اور

۱۔ صحیح البخاری (۹۱/۸) حدیث نمبر: ۶۴۲۸

اللہ کے قریب تھے اور دین کے معاملے میں راست باز تھے۔ گو اجتہاد کا راستہ ہمیشہ کھلا رہے گا لیکن اس کے باوجود متقدمین کے عمومی اجتہاد پر آج کے علماء کو ترجیح دینا ہماری رائے میں درست نہ ہو گا۔ لیکن ایسا اجتہاد جس کی بنیاد مخصوص معاشرت پر ہو اس مسئلہ میں آج کی بدلی ہوئی معاشرت کے پیش نظر اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر مسئلہ تصویر کو لے لیجیے۔ متقدمین کی تمام آراء اور ان کے تمام فتاوی یہی حکم رکھتے ہیں کہ مکروہ و ممنوع ہے اور اس پر جمہور متفق ہیں۔ لیکن آج کی بدلی ہوئی معاشرت اس بات کی متقاضی ہے کہ تصویر کی اہمیت کو تسلیم کیا جائے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ کیونکہ یہ مسئلہ بھی اجتہادی تھا اور اس کی بنیاد بھی معاشرتی تھی لہٰذا جب معاشرت ہی بدل گئی تو اس کا حکم بھی تبدیل ہو گیا۔

اس کی دوسری مثال غلاموں اور لونڈیوں کے احکامات سے متعلق ہے کہ اگر ہم متقدمین کی کتب فقہ کو دیکھیں تو ہمیں غلام اور لونڈیوں سے متعلق باقاعدہ ابواب ملیں گے جن میں تفصیلاً اس مسئلہ کے اصولی اور فروعی مسائل پر بحث موجود ہے۔ اس معاملہ میں ان علماء کرام کے تمام اجتہاد گو صد فی صد درست بھی ہوں تب بھی وہ ایک مخصوص معاشرت کے غماز تھے۔ لیکن اب چونکہ معاشرت سر تا سر تبدیل ہو چکی ہے تو اب ایسے تمام اجتہادی مسائل عملاً بے معنی اور ناقابل عمل ہو کر رہ گئے ہیں۔ لیکن ان مسائل سے متعلقہ نصوص کے احکمات اپنی جگہ سدا قائم رہیں

ترجمۂ حدیث: نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے زمانہ میں ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے۔

گے۔ لہٰذا اگر اب کوئی ایسی صورت حال دنیا میں پیدا ہو جاتی ہے کہ دوبارہ سے غلامی کا وجود آجائے تو پھر علماء اس صورت حال میں نصوص کی روشنی میں نئے سرے سے اجتہاد کر سکتے ہیں جو کہ بلکل جائز اور موزوں ہو گا۔

ہماری دانست میں عورت کی گواہی کا مسئلہ بھی کچھ ایسی نوعیت کا ہے کہ اس دور کی معاشرت کو سامنے رکھتے ہوئے متقدمین نے جو آرء بیان کی ہیں وہ بلکل درست ہیں۔ لیکن ابجبکہ ساری دنیا کی معاشرت کے طور اطوار یکسر بدل چکے ہیں، سائنس ترقی کر چکی ہے، معاشرتی لحاظ سے عورتوں کا مرتبہ بدل شکا ہے، ان کی منزلت و مقام بدل چکا ہے، لہٰذا اب ضرورت ہے کہ نصوص کی روشنی میں موجودہ معاشرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے عورت کی گواہی کے مسئلہ کا حل تلاش کیا جائے۔ ایسا کرنے سے اسلام کا کوئی نقصان نہیں ہو گا۔اس کو کسی قسم کی زک نہیں پہنچے گی بلکہ ہم آج کے مسائل اسلام کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق حل کرنے کا کے قابل ہو جائیں گے۔

یہاں ہم مندرجہ ذیل دو صورتوں میں موجود ایک باریک فرق کواجاگر کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

۱- یہ کہ ہم اسلام کو آج کے معاشرتی مسائل کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔

۲- یہ کہ ہم آج کے موجودہ معاشرتی مسائل کو اسلام کے ابدی اصولوں کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں۔

ان دونوں معاملوں میں بُعد المشرقین پایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دوسرے طریقے پر عمل کرنے میں ہی فلاح اور بھلائی ہے۔

دور حاضر کے جدید سوچ رکھنے والے لوگ جو کے عموماً دینی علوم سے زیادہ واقفیت نہیں رکتے، وہ مسائل کے حل کے لیے پہلا طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جبکہ ہو نا تویوں چاہئے کہ ایسے علماء جو کہ دینی علوم پر دسترس رکھتے ہیں وہ ان مسائل کا اسلامی حل تلاش کرنے کی کوشش کریں جو کہ ظاہری طور پر عقل کے منافی نظر آتے ہیں اور انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتے کیونکہ اکثر مسائل کے حل کے لیے اسلام ہمیں کچھ بنیادی اصول دیتا ہے اور ان اصولوں کی روشنی میں ہم معاشرتی حقائق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تفصیلی بلکہ ذیلی طریقہ کار وضع کرتے ہیں۔

عورت کی گواہی یا شہادت کا مسئلہ جو کہ اجتہادی مسئلہ ہے، اور جس کے بارے میں اجتہاد معاشرتی تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا جاتا رہاہے، ہم نے اس کا حل آج کی معاشرت کے پیش نظر اسلامی نصوص کے اصولوں کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

ہماری اس کوشش میں کوئی بدنیتی شامل نہیں۔ اول تا آخر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے یہی دعا والتجا رہی کہ ہدایت فرمائے اور ہمیں کوئی غلط نتیجہ اخذ کرنے سے محفوظ فرمائے۔ قارئین کرام سے بھی یہی درخواست ہے وہ بھی اگر ہماری اس رائے سے

اختلاف رکھتے ہوں تو دلائل کی روشنی میں ہماری ضرور رہنمائی فرمائیں۔ ہم اپنی رائے سے رجوع کرنے میں چنداں پس و پیش نہیں کریں گے۔

اسلام آباد

یکم ستمبر ۱۹۹۶ء (ڈاکٹر سید محمد انور)
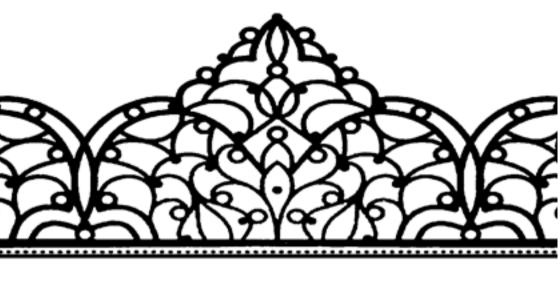
باب اوّل

شہادت کی تعریف

باب اوّل
شہادت کی تعریف

شہادۃ کے لغوی معنی

شہادۃ یعنی گواہی کے موضع پر بات شروع کرنے سے پہلے سب سے اہم امر یہ کہ ہم اس اصطلاح یا لفظ کے لغوی معانی پر غور کریں اور اس کا وہ مطلب یا مطالب معلوم کرنے کی کوشش کریں جو قرآن پاک میں بیان ہوئے ہیں۔

عربی لغت کے اعتبار سے لفظ شہادۃ یعنی گواہی جس کو انگریز میں EVIDENCE کہا جاتا ہے، (ش ھ د) کے مادہ پر مبنی ہے۔ قرآن کریم میں ایسے الفاظ جن کا مادہ (ش ھ د) پر مبنی ہے ۱۶۰ مرتبہ وارد ہوئے ہیں۔ مجموعی طور پر ۵۱ سورتوں میں ایسے الفاظ آئے ہیں۔ یہ الفاظ جو اس مادہ سے مشتق ہیں مختلف معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔

باالفاظ دیگر اگر یوں کہہ لیا جائے کہ ان الفاظ کو کلی طور پر کسی ایک مخصوص مطلب کے لیے استعمال نہیں کیا گیا تو بجا ہوگا۔ امام راغب اصفہانی نے اپنی کتاب مفردات القرآنؑ میں اس لفظ کے کوئی بیس سے زیادہ مفاہیم بیان فرمائے ہیں۔

قرآن کریم میں (ش ھ د) کا استعمال اور اس کے مختلف معانی:

۱- المشهود والشهادة

اس کے معنی کسی چیز کے مشاہدہ کرنے کے ہیں۔ خواہ بصر سے ہو یا بصیرت سے۔ اور صرف حاضر ہونے کے معنی میں بھی استعمال ہو تا ہے۔ قرآن پاک میں مختلف مقامات پر ذکر ہوا ہے:

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾[۲]

ترجمہ: پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔

مندرجذیل قرآنی آیات میں یہ الفاظ انہی معانی میں استعمال ہوا:

۱۔ الانعام: ۷۳	۲۔ التوبہ: ۹۴، ۱۰۵
۳۔ الرعد: ۹	۴۔ المؤمنون: ۹۲
۵۔ السجدۃ: ۲	۶۔ التغابن: ۱۸
۷۔ الحشر: ۲۲	۸۔ الجمعۃ: ۸

شہود کے معنی صرف حاضر ہو نا ہوتے ہیں، اور شہادت میں حاضر ہونے کے ساتھ ساتھ مشاہدہ کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا آیات میں الغیب سے وہ چیزیں مراد ہیں جن کا ادراک نہ تو ظاہری حواس سے ہو سکتا

۲۔ الحشر: ۲۲

ہے اور نہ بصیرت سے، اور الشھادۃ سے مراد وہ اعتبار ہے جو لوگ ظاہری آنکھوں سے دیکھ کر حاصل کرتے ہیں۔

یوں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شہادت کا اطلاق صرف ان واقعات یا اشیاء پر کیا جاسکتا ہے جو کہ انسان کے حواس خمسہ کے ادراک میں ہیں۔ یا یوں کہیں کہ غیب کی ضد شہادت ہے۔ الشھادۃ وہ بات ہے جو کامل علم اور یقین سے کہی جائے خواہ وہ علم مشاہدہ بصر سے حاصل ہو یا بصیرت سے۔

۲- مشھدشھد

شھادۃ میں حاضر ہونے کے ساتھ مشاہدہ کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے۔ مشھد بمعنی المحضر یعنی حاضر ہونے کی جگہ کو کہا جاتا ہے۔ جیسا کے قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے:

﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ﴾[۳]

ترجمہ: " تاکہ وہ اپنے فائدہ کے لیے حاضر ہو اور معلوم دِنوں میں اللہ کے نام کا ذکر کریں"۔

﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾[۴]

۳۔الحج: ۲۸

۴۔النور: ۲

ترجمہ: اور ان کی سزا کے وقت مؤمنین میں سے کچھ لوگ موجود ہوں۔

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں اس لفظ کے مندرجذیل معنی بیان فرمائیں ہیں: ؒ

۱۔ الاحضار: یعنی موجود حاضر ہونا۔ امام راغب اصفہانیؒ بھی ان معنی کی حد تک سو فی صد امام قرطبیؒ سے متفق ہیں۔ ایک اہم بات جس کا تذکرہ آئدہ مقام پر بھی ہو گا وہ یہ کے امام قرطبیؒ نے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸۲ میں لفظ شھادۃ کے استعمال کو حاضر ہونے یا حاضر کرنے کے معنی میں لیا ہے۔ مختصراً یہ اس آیت (البقرۃ: ۲۸۲) میں "واشھدوا" سے مراد "احضروا" ہے۔

۲۔ قضی وأعلم: یعنی علم و یقین کی بناء پر کسی امر کا فیصلہ کرنا یا کوئی حتمی حکم لگا دینا بھی شہادت کے معنی میں آیا ہے۔ جیسے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾ (۵)

۵۔ آل عمران: ۱۸

ترجمہ : گواہی دی اللہ نے اس کے بجز اس ذات کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی، اور معبود بھی اس شان کے ہیں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں [آل عمران ۱۸]

۳- اقرار: یعنی کسی بات کا اقرار کرنا یعنی قانونی اصطلاح میں ADMISSION CONFESSION کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب شہادت اپنی ذات کے متعلق ہو تو اس کے معنی اقرار کے ہوتے ہیں، جیسے :

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ﴾[٦]

ترجمہ : "اور شاہد نہ ہو ان کے پاس سوائے ان کی جان کے تو ایسا شخص کی گواہی کی صورت ہے کہ چار بار گواہی دے"۔ [النور : ۲]

اس ضمن میں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ﴾[٧] کی مثال دی ہے۔

٦۔ النور : ٦

٧۔ النساء : ١٦٦

۴- حکم: یعنی کوئی رائے یا فیصلہ دینا، جیسے سورۃ یوسف کی آیت ۲۶ میں نازل ہوا ہے:

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا﴾ (۸)

ترجمہ: اس عورت کے قرابت داروں میں سے ایک شہادت دینے والے نے شہادت دی"۔

چونکہ اس واقعہ میں کوئی موقع پر موجود نہ تھا، اس لیے یہاں شہادت دینے سے کیا مطلب ہے؟۔۔۔تو جمہور علماء لغت اور مفسرین یہی رائے رکھتے ہیں کہ یہاں پر شہادت سے مراد کوئی رائے یا حکم سنانا ہے۔لہٰذا اس آیت کا ترجمہ یوں ہوگا کہ:

" اس کے قبیلہ میں ایک فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ کیا"۔

۵- حلف: یعنی کسی امر کا حلفیہ اقرار کرنا اس کی مثال:

﴿فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ﴾ (۹)

۸۔یوسف:۲۶

۹۔النور:۶

ترجمہ: (اور شاہد نہ ہو اس کے پاس سوائے ان کی جان کے) تو ایسے شخص کی گواہی کی صورت ہے کہ چار بار گواہی دے"۔

یعنی اللہ کو حاضر و ناظر جان کر حلفیہ بیان دینے کے زمرہ میں بھی لفظ شهادة کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

٦- وصی: یعنی وصیت کرنا، جیسا کے سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۲۰ میں ہے:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ﴾[١٠]

"اے ایمان والو! تمہارے آپس میں دو شخصوں کا وصی ہونا مناسب ہے جب کے تم میں سے کسی کو موت آنے لگے"۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ یہاں مراد یمین یعنی "قسم" ہے۔

١٠۔ المائدۃ: ١٠٦

یہ تمام معنی تقریباً تمام مفسرین نے بیان فرمائے ہیں۔ لیکن امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے 'مفردات القرآن' میں اس لفظ کی بنیادی طور پر جو دو حصوں پر تقسیم کی ہے وہ تمام معانی پر محیط ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ شھادۃ دو طرح سے استعمال ہو سکتا ہے: اولاً: علم کی جگہ اور ثانیاً: قسم کی جگہ۔

ویسے تو 'مفردات القرآن' میں اس لفظ پر بہت طویل بحث کی گئی ہے اور تمام مطالب بر محل بیان کیے گئے ہیں لیکن مندرجہ بالا تقسیم بہ نسبت استعمال لفظ شھادۃ سب پر محیط نظر آتی ہے کہ یہ لفظ کسی بھی معنی میں استعمال ہو یا تو اس میں علم کا عنصر موجود ہو گا یا پھر قسم کا اور یہی سب سے معقول معلوم ہوتا ہے۔

شھادۃٌ کے اصطلاحی مفہوم

جیسا کے شھادۃٌ کے لغوی معنی سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اس لفظ کے کئی مفاہیم اور مطالب ہیں۔ لیکن قانون یا شریعت کی اصطلاح میں لفظ شہادت سے مجموعی طور پر کسی بھی فعل یا حقیقت کو ثابت کرنے کے ایک طریقہ کو شہادت کہتے ہیں۔ ثبوت کی تعریف کچھ یوں کی جا سکتی ہے :

" کوئی واقعہ یا حق جو کہ کسی قانونی حق کو جنم دیتا ہو
'عدالت کے روبرو شریعت کے بیان کردہ طریقوں کے
مطابق ثابت کرنے کو ثبوت کہا جاتا ہے" (۱۱)

یوں معلوم ہوا کہ کسی بھی امر کو ثابت کرنے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ شہادت ہے۔ اسلام نے ایک حق یا واقعہ کو ثابت کرنے کے مندرجذیل طریقے بیان کئے ہیں :

۱۔ اقرار ۲۔ شہادت
۳۔ قسم ۴۔ قرائن

شہادۃُ کی تعریف مختلف مکاتب فکر کی نظر میں

اس سے قبل ہم لفظ شہادۃ کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کو دیکھ چکے ہیں، اب ہم اس کے فقہی پہلو پر روشنی ڈالنے کے لیے ائمہ اربعہ کی بیان کردہ تعریفوں پر غور کرتے ہیں :

۱۔ احناف کی تعریف

احناف نے شہادت کو مندرجہ ذیل طریقے سے بیان کیا ہے :

"کسی حق کے ثبوت کے طور پر کوئی بھی سچی معلومات جو

۱۱۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی ' ج ۲ ص ۱۳۶]

کہ شہادت کے لفظ کو استعمال کر کے قاضی کے روبرو دی جائے"۔ (۱۲)

۲۔ مالکیوں کی تعریف

مالکیوں نے کچھ اس طرح شہادت کی تعریف کی ہے:

"کوئی بھی ایسا بیان جس پر عدالت اپنا فیصلہ سنائے لیکن ضروری ہے کہ وہ بیان دینے والے ایک سے زیادہ اور عادل ہوں، نیز اگر ایک ہو تو پھر مدعی ان کے بیان کے ساتھ قسم بھی اٹھائے"۔ (۱۳)

۳۔ شوافع کی شہادت

شافعی علماء نے شہادت کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے کہ:

کوئی بھی ایسی معلومات جو کہ کوئی شخص، کسی ایک شخص کے، دوسرے شخص کے اوپر کسی حق سے متعلق (اشھدُ) (میں گواہی دیتا ہوں) کے لفظ استعمال کرتے

۱۲۔ فتح القدیر للشوکانی، ج ۲، ص ۱۲، الدر المختیار، ج ۵، ص ۴۶۱، التعریفات للجرجانی۔ ص ۱۸۸، نیز دیکھیں البحر الرائق، ج ۸، ص ۱۶۵]

۱۳۔ مواھب الجلیل، ج ۶۔ ص: ۱۱۵۶]

ہوئے دے"۔ [۱۴]

۴۔ حنابلہ کی تعریف:

حنابلہ نے شہادت کی تعریف اس طرح کی ہے:

"کسی شخص کا کوئی معلومات، خصوصی لفظ استعمال کرتے ہوئے بہم پہنچانا"۔ [۱۵]

مخصوص الفاظ سے مراد شہادت ہے۔ معلومات دینے والا یہ کہے کہ:

"میں شہادت دیتا ہوں پھر وہ بیان دے"۔

۱۴۔ کشاف القناع

۱۵۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی ' ج ۲ ص ۱۳۶

باب دوم

اسلام میں کسی امر کے ثبوت کے طریقے اور عورت کا مقام

باب دوم

اسلام میں کسی امر کے ثبوت کے طریقے اور عورت کا مقام

اب ہم ایک ایک کر کے اسلام کے ان تمام طریقوں کو زیر بحث لائیں گے جو کہ اس نے ایک امر کے ثبوت کے لیے جائز قرار دیئے ہیں، نیز ان تمام طریقوں میں سے ہم عورت کا مقام بھی دیکھیں گے۔

۱. اقرار

اقرار سے مراد ہے کہ کوئی شخص بھی اپنے کسی جرم کے ارتکاب کا خود ہی اقرار کر لے، انگریزی قانون (Anglo-Sexon Law) میں اس کو CONFESSION کہتے ہیں یا یہ کہ کوئی شخص اپنے اوپر کسی دوسرے شخص کا حق تسلیم کر لے اس کو CONFESSION یا ADMISSOIN کہا جاتا ہے۔ اسلام اقرار کو اوّل درجے کا ثبوت تصور کرتا ہے اور اقرار کے بعد اسلام میں کسی بھی مزید تائیدی ثبوت کی ضررت باقی نہیں رہتی۔ کتب احادیث میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، اور موطاامام مالک کتاب الحدود میں اقرار کے واقعات درج ہیں کہ اقرار کے بعد حضور ﷺ نے اقرار کرنے والے کو سزا سنائی۔

اقرار کے بارے میں فقہاء نے علیحدہ ابواب لکھے ہوئے ہیں اور اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

غرض یہ کہ اقرار اسلامی قانون میں کسی فعل کے ثبوت کا سب سے قوی اور قابل اعتماد طریقہ مانا جاتا ہےاور اس میں عورت اور مرد میں کوئی تمیز نہیں ہے۔ کسی بھی عالم کی رائے یہ نہیں ہے کہ عورت کا اقرار نہ مانا جائے، یا کم مانا جائے یا یہ کہ اس کے اقرار کے ساتھ کوئی تائیدی ثبوت بھی طلب کئے جائیں۔

اسلام میں عورت کا اقرار بالکل مرد کے اقرار کے مساوی ہے۔دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کسی بھی امام یا فقیہ کی یہ رائے نہیں ملتی کہ چونکہ عورت ضعیف العقل ہے اور اس کی گواہی نصف ہے (جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے) لہٰذا اس کا اقرار بھی درست نہیں مانا جاسکتا اور خدشہ ہے کہ یہ ضعیف العقلی کی بناء پر اپنے آپ کو نقصان نہ پہنچا بیٹھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کتب فقہ میں اقرار کے ابواب طویل بحثوں سے بھرے ہوئے تو ضرور نظر آتے ہیں لیکن کسی بھی مسلک کی کتاب میں یہ رائے نہیں ملتی عورتوں کا اقرار مردوں کے مقابلے میں کم تر ہو۔

۲. **شہادت**

اسلامی قانون میں ثبوت کا دوسرا طریقہ شہادت ہے۔ اسلامی قانون میں شہادت سے متعلق مفصل آرء موجود ہیں۔قرآن وحدیث اور فقہ کی کتب میں اس سے متعلق واضح احکامات پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ زیر نظر تحریر کا نفس مضمون ہی شہادت ہے لہٰذا اس ابتدائی مرحلہ پر اس کی مفصل تعریف اور اس سے متعلق دیگر مسائل بیان نہیں کیے جاسکتے۔اس کی مختصر تعریف بیان کی جاتی ہے کہ :

"کسی شے یا فعل کا آنکھوں کے ذریعے مشاہدہ کر کے اس کے
متعلق اطلاع دینے کے عمل کو 'شہادت' کہا جاتا ہے"۔

کتاب ہذا کے موضوع کے حوالے سے یہاں اہم بات جو ہم بیان کرنا چاہیں گے وہ یہ ہے کہ اسلام میں ثبوت کے چار طریقوں میں سے شہادت ہی ایک ایسا طریقہ ہے جس میں چند پہلوں سے عورت اور مرد میں امتیاز کیا گیا ہے۔ یہ امتیاز بھی شہادت کے تمام پہلوں پر محیط نہیں ہے اور جہاں جہاں یہ امتیاز رکھا گیا ہے وہا بھی علماء میں وسیع اجتہادی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

۳. **قسم**

اگر اقرا اور شہادت سے کوئی مقدمہ حل نہ ہو یا کوئی بھی فریق اقرار نہ کرے اور شہادت بھی نہ لاسکے یا دونوں فریق برابر کی شہادت دے رہے ہوں تو پھر دونوں فریقوں میں سے کسی ایک سے قسم لی جاسکتی ہے۔

قرآن کریم نے صرف ایک مقام پر قسم کو دعویٰ کے سچے یا جھوٹے ثابت کرنے کے زمرے میں استعمال کیا ہے۔ اور غور طلب نکتہ یہ ہے کہ اس مقام پر قرآن میں شہادت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جبکہ عربی میں قسم کے لیے الیَمِین کا لفظ عموماً استعمال ہوتا ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قسم بھی شہادت کی اس نوع ہی سے ہے جس سے کسی دعویٰ کی نفی یا اثبات ہوسکتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ (٦) وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ (٧) وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ (٨) وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ (٩) وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ (١٠)﴾ [١٦]

"اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں پر اور پھر چار گواہ (اپنے دعویٰ) پر نہ لاسکیں ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار خدا کی قسم کھائے کہ بیشک وہ سچا ہے۔ اور پانچویں بار یہ (کہے) کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت۔ اور عورت سے سزا کو یہ بات ٹال سکتی ہے کہ وہ پہلے چار بار خدا کی قسم کھائے کہ بیشک یہ جھوٹا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں 'لعان' کا حکم بیان ہو رہا ہے اور اہم بات یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں کہیں بھی عورت اور مرد کی قسم میں برابری کے اعتبار سے فرق نہیں بیان ہو رہا۔ ہم نے یہ بحث بھی اپنے مقام پر کی ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ قسم سے متعلق مندرجہ ذیل احادیث بھی اس بات کو واضح کرتی ہیں

١٦۔ النور: ٦-١٠

کہ جب کوئی مقدمہ فریقین کے درمیان زیر سماعت ہو تو قسم کی حد تک عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ قسم اسلامی قانون میں دعویٰ ثابت کرنے کے چار مسلمہ طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ اس میں عورت اور مرد میں کوئی امتیاز نہیں برتا گیا۔ ایک قسم پر دعویٰ کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے چاہے وہ قسم اٹھانے والا مرد ہو یا عورت ہو۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعَى رِجَالٌ أَمْوَالَ قَوْمٍ وَدِمَاءَهُمْ، لَكِنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِي، وَالْيَمِينَ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ۔ (۱۷)

ترجمہ: "ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو دلا دیا جائے جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں تو لوگ انسانوں کے خون اور مال کا دعویٰ بھی کر بیٹھیں گے لیکن مدعی کے ذمہ شہادت اور اسکے دعویٰ کے انکار کرنے والے پر قسم ہے۔"۔

عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، أَنَّ امْرَأَتَيْنِ، كَانَتَا تَخْرِزَانِ فِي بَيْتٍ أَوْ فِي الْحُجْرَةِ، فَخَرَجَتْ إِحْدَاهُمَا وَقَدْ أُنْفِذَ بِإِشْفًى فِي كَفِّهَا، فَادَّعَتْ عَلَى الأُخْرَى، فَرُفِعَ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَوْ يُعْطَى

۱۷۔ حَدِيثٌ حَسَنٌ، رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي "السنن، ج ۱۰/ ص ۲۵۲، وَبَعْضُهُ فِي "الصَّحِيحَيْنِ."

النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَذَهَبَ دِمَاءُ قَوْمٍ وَأَمْوَالُهُمْ»، ذَكِّرُوهَا بِاللَّهِ وَاقْرَءُوا عَلَيْهَا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ﴾ [آل عمران: ٧٧] فَذَكَّرُوهَا فَاعْتَرَفَتْ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ»(۱۸)

ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ دو عورتیں کسی گھر یا حجرہ میں بیٹھ کر موزے بنایا کرتی تھیں۔ان میں سے ایک عورت باہر نکلی اس کے ہاتھ میں موزے سینے کا سوا چبھو دیا گیا تھا۔اس نے دوسری عورت پر دعویٰ کیا۔ یہ مقدمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تھا کہ اگر صرف دعویٰ کی وجہ سے لوگوں کا مطالبہ مان لیا جانے لگے تو بہت سوں کا خون اور مال برباد ہو جائے گا۔ جب گواہ نہیں ہے تو دوسری عورت کو جس پر یہ الزام ہے، اللہ سے ڈراؤ اور اس کے سامنے یہ آیت پڑھو «إن الذين يشترون بعهد الله» چنانچہ جب لوگوں نے اسے اللہ سے ڈرایا تو اس نے اقرار کرلیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے، قسم مدعیٰ علیہ پر ہے۔

۱۸۔ صحیح البخاری (ج۶/ص۳۵) حدیث نمبر: ۴۵۵۲

عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، قَالَ: كَتَبَ إِلَيَّ ابْنُ عَبَّاسٍ: «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِالْيَمِينِ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ» (۱۹)

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے میرے پاس لکھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مدعی علیہ پر قسم کا فیصلہ کیا ہے (یعنی جب وہ منکر ہو اور مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو وہ قسم کھائے)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى بِيَمِينٍ وَشَاهِدٍ» (۲۰)

"ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قسم اور ایک گواہ پر فیصلہ کیا"۔

ان تمام احادیث کے مطالعہ کے بعد ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے قسم کی حد تک عورتوں اور مردوں میں کوئی تفریق نہیں کی۔ یہی رائے تمام فقہا کی ہے کوئی مذہب بھی اس طرف نہیں گیا جس نے عورت کی قسم میں مرد کی قسم کے مقابلے میں نقصان یا کمی بیان کی ہو، اور کوئی رائے بھی

۱۹۔ سنن ابی داود (ج۳/ص۳۱۱)

۲۰۔ صحیح مسلم (ج۳/ص۱۳۳۷) حدیث نمبر ۱۷۱۲

ہم کو ایسی نہیں ملتی کہ کو یہ بات کہے کہ صرف عورتوں کی قسم پر فیصلہ کرنا درست نہیں۔ یوں ثابت ہوا کے اسلامی قانون میں ثبوت کے اس تیسرے طریقے میں عورت اور مرد ہر لحاظ سے مساوی ہیں۔

٤. قرائن

قرائن کی شہادت سے مراد (Circumstantial evidence) ہے۔ اس بات پر علماء کا اختلاف ہے کہ قرائن کی شہادت پر انحصار کرتے ہوئے مقدمہ کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ نہیں۔ ہماری دانست میں یہ بات مقدمہ کے حالات و واقعات اور قرائن کی شہادت کی نوعیت پر منحصر ہے۔ مثلاً ایک غیر شادی شدہ لڑکی کے یہاں بچے کی پیدائش یا اس کے حاملہ ہونے کے قرائن اس بات کا ختمی ثبوت ہیں کہ اس نے زناکاری کی ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ قرائن کی شہادت آنکھو دیکھی شہادت کے برابر ہے۔[۲۱]

قرآن کریم نے بھی قرائن کی شہادت کو تسلیم کیا ہے اور اس کی روشنی میں فیصلہ بھی دیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں اسی طرف دلالت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ (٢٦) وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ

۲۱۔ اعلام الموقعین: ج ا]

دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِينَ (۲۷) فَلَمَّا رَأٰى قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿۲۲﴾

"اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی اگر ان کا کُرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہو تو عورت سچی ہے اور اور انہوں نے غلط کہا ہے اور اگر ان کا کُرتہ پیچھے سے چاک ہوا تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچے، پھر جب عزیز نے اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو بولا: بے شک یہ تم عورتوں کا چرتر ہے"۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ قرائن کی شہادت کتنی اہم ہے۔ نیز یہ بات بھی غور طلب ہے کہ قرآن دعویٰ کی حد تک مرد اور عورت میں کوئی تمیز نہیں کرتا ایک عورت اللہ کے نبی علیہ السلام پر الزام لگا رہی ہے اور نبی علیہ السلام جواباً اس کو رد بھی کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی بات یا ان کا بیان قبول نہیں کیا جاتا بلکہ قرائن کی شہادت کی روشنی میں مقدمہ کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

دوسری اہم بات جو اس ضمن میں کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ قرائن کی شہادت عورت اور مرد دونوں پیش بھی کر سکتے ہیں اور دونوں کے خلاف یکساں طور پر استعمال بھی کی جا سکتی ہے۔

قرائن کی شہادت (CIRCUMSTANTIAL EVIDENCE) قانونی معاملات میں بعض اوقات بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ بالخصوص فوجداری معا

۲۲۔ یوسف: ۲۶-۲۸

ملات میں تو قرائن کی بنیار پر کسی مقدمہ کا فیصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم بھی قرائن کی شہادت کو تسلیم کرتا ہے۔ لہٰذا محض قرائن کی شہادت کی بنیاد پر کسی مقدمہ کا فیصلہ کیا جانا ایک درست امر تصور کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِن دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَن يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۲۵) قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ (۲۶) وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ (۲۷) فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِن كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ﴾ (۲۳)

"اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور عورت نے اس کا کرتہ پیچھے سے چیر لیا اور دونوں کو عورت کا میاں دروازے کے پاس ملا، بولی کیا سزا ہے اس کی جس نے تیری گھر والی سے بدی چاہی؟ مگر یہ کہ قید کیا جائے یا دکھ کی مار۔ کہا: اس نے مجھے لبھایا کہ میں اپنی حفاظت نہ کروں اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر ان کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہے تو عورت سچی ہے اور انہوں نے غلط کہا ہے۔ اور اگر ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے

۲۳۔ یوسف: ۲۵-۲۸

تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچے۔ پھر جب عزیز نے ان کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو بولا: بے شک یہ تم عورتوں کا چرتر ہے، بے شک تمہارا چرتر بڑا ہے"۔

اس آیت قرآنی سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام میں قرائن کی شہادت بلکل قابل قبول ہے کیونکہ متذکرہ بالا آیات میں جو واقعہ بیان ہو رہا ہے اس میں حضرت یوسف علیہ السلام جو کہ ایک جلیل القدر پیغمبر ہیں، ان پر ایک انتہائی سنگین الزام لگایا جا رہا ہے اور اس کا فیصلہ ہم دیکھتے کہ قرائن کی شہادت کی بنیاد پر ہوا۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کا معائنہ کیا جاتا ہے اور اس قمیص کے معائنہ کے بعد قرائن سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ الزام لگانے والی عورت جھوٹی ہے اور یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔ان آیات کے پُر غور مطالعہ سے مندرجذیل امور واضح ہو جاتے ہیں۔

ا۔ سب سے پہلے تو یہ کہ قرآن کریم نے یہاں پر لفظ "شھِدَ شاھدٌ" بیان کیا ہے حالانکہ کوئی بھی اس واقعہ کا عینی گواہ نہ تھا۔ لہٰذا یہاں پر "شھِدَ" کا لفظ رائے دیہی کے معنی میں آیا ہے۔ نیز کیونکہ بات قرائن کی شہادت کی ہو رہی ہے اس لیے قرآن نے یہ الفاظ بیان فرمائے ہیں کہ ایسی بات یا باتیں یا واقعات جس کا کوئی چشم دید گواہ نہیں ہوتا اور وہ

کسی دیگر عوامل سے ثابت ہو رہی ہوتی ہیں تب بھی شہادت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بلاغت قرآنی کا ایک لطیف مظہر ہیں۔

۲- دوسرا نقطہ جو کہ اس آیت مبارکہ سے عام ذہنوں میں واضح ہو جاتا ہے وہ یہ کہ عورت اور مرد دونوں کی شہادت میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام جو کہ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں وہ عورت کے الزام کے جواب میں اپنے حق میں گواہی دے رہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں ﴿هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي﴾ تو محض ان کا بیان تسلیم نہیں کیا جاتا بلکہ قرائن کی شہادت دیکھی جاتی ہے اور اس کے بعد فیصلہ تک پہنچا جاتا ہے۔

۳- اگر مرد کی شہادت کو عورت کی شہادت پر فوقیت ہوتی تو قرآن کبھی بھی ایسا واقعہ بیان نہ کرتا جس میں ایک نبی اپنی ذات کے بارے میں گواہی دے رہا ہے اور فیصلہ محض اس کی گواہی پر نہیں بلکہ قرائن کی شہادت پر کیا جا رہا ہے۔ قرآن کا منشا معاذ اللہ کبھی نبی کی شان میں کمی نہیں ہو سکتا۔ ایک نبی کا قول اور وہ بھی گواہی کی صورت میں، اس پر یہ کہ وہ گواہی بھی اپنی صفائی میں دی جائے اور تسلیم نہ کی جائے، کی صرف اور صرف وجہ یہ سمجھ آتی ہے کہ باوجود کہ حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے لیکن کیونکہ الزام علیہ تھے اور ان سے قبل عورت ان پر الزام لگا چکی تھی تو اب حضرت یوسف علیہ السلام کی شہادت اس کے الزام کے سامنے

ایک رتی سے بھی زیادہ وزن نہیں رکھتی تھی۔ اگر قرآن کریم کا مزاج یہ ہوتا جو کہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ عورت کی گواہی مرد کے مقابلہ میں آدھی ہے تو متذکرہ بالا معاملہ میں یوسف علیہ السلام کو اپنی شہادت دینے کے بعد کسی اور شخص یا تیسرے شخص کی گواہی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔

۴۔ یوں ان آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مرد اور عورت کی گواہی میں قرآن نے کوئی تخصیص نہیں کی ہے۔ بلکہ دونوں کی گواہیاں یا شہادتیں بالکل برابر ہیں۔
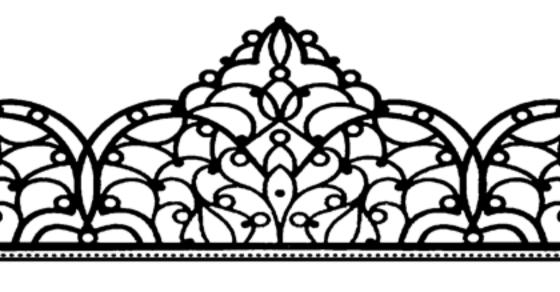
☆☆☆☆☆

باب سوم

شہادت سے متعلق چند اہم اصلاحات اور عورت کی گواہی

باب سوم

شہادت سے متعلق

چند اہم اصلاحات اور عورت کی گواہی

جب ہم شہادت کے موضوع کی بات کرتے ہیں تو ضروری ہے اس سے متعلق اصطلاحات کی وضاحت بھی کرتے جائیں۔ یہاں شہادت سے متعلق صرف ان اصطلاحات کی وضاحت کی گئی ہے، جن اصطلاحات کا تعلق براہ راست اس کتاب کے موضوع سے بنتا ہے۔ دیگر اصطلاحات چھوڑ دی گئی ہیں کیونکہ وہ خود ایک طویل موضوع کی حیثیت رکھتی ہیں۔

نیز ہماری کوشش ہوگی کہ ان اصطلاحات کی تعریف کی روشنی میں اس مسئلہ کو دیکھیں۔ یہ اس موضوع کے مطالعہ کا ایک نہایت ہی اہم پہلو ہے۔ بلکہ ہماری نظر میں یہ ناگزیر ہوگا کہ ایک شہادت کے جو لزوم ہیں ان کا اس مسئلہ کے تناظر میں مشاہدہ کیا جائے۔ اس ضمن میں ہمارے خیال میں مندرجہ ذیل عنوانات سمجھنا اور ان کی روح کو سمجھتے ہوئے اور ان کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے عورت کی گواہی کو کماحقہ سمجھا جانا ضروری ہے:

۱۔ تحمل شہادت

۲۔ ادائے شہادت

۳۔ گواہی کی اہلیت

۱. تحمل شہادت

اس اصطلاح سے مراد ہے کہ :

" کسی بھی شہادت دینے والے شخص یعنی شاہد کی وہ اہلیت جس کی وجہ سے وہ اس قابل بنتا ہے۔ کہ وہ کسی امر کا ادراک حاصل کر سکے اور بعد میں وہ کسی کے حق میں یا مخالفت میں عدالت میں آکر گواہی دے سکے، ' تحمل شہادت ' کہلاتا ہے "۔

علماء اکرام نے تحمل شہادت کے لیے مندرجہ ذیل تین شرائط لازمی بیان کی ہیں :

ا۔ گواہ کا بوقت تحمل شہادت عاقل ہونا۔ (۲۴)

۲۔ گواہ کو بصیر یعنی بینا ہونا۔ (۲۵)

۳۔ یہ ضروری ہے کہ شاہد جس چیز یا واقعہ سے متعلق گواہی دے رہا ہے اس نے اس چیز یا واقعہ کا معائنہ یا مشاہدہ کیا ہو لیکن جن امور میں محض سمعی شہادت جائز ہے ان امور میں مشاہدہ کی شرط لازمی نہیں ہے۔ (۲۶)

مذکورہ بالا شرائط سے واضح طور پر علم ہوتا ہے کہ تحمل شہادت سے گواہ کی جنس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یعنی ایک عاقل مرد اور عاقل عورت میں کوئی فرق

۲۴۔ فتاویٰ عالمگیری، جلد۵، صفحہ ۲۵۶ نیز البحر الرائق، جلد۷، صفحہ ۵۶

۲۵۔ الہدایہ، جلد۳، صفحہ نمبر ۱۵۹

۲۶۔ کنز الدقائق، کتاب الشہادۃ، قدیمی کتب خانہ کراچی، ص ۲۸۸

نہیں، نہ ہی قوت مشاہدہ اور سمجھنے میں عورت یا مرد ہونے کی وجہ سے کوئی فرق آتا ہے۔

شہادت جس چیز یا فعل سے متعلق دی جارہی ہے اس میں جنس گواہ کا عمل دخل کارفرما نہیں ہے۔ مختصراً یہ کے تحمل شہادت کا انحصار قوت مشاہدہ اور انسان کے ان حصوں پر ہے جن سے وہ ادراک حاصل کرتا ہے۔

اس مقام پر روایتی خیال کے مطابق یہ اختلاف کیا جاسکتا ہے کہ عورتوں کی عقل مردوں کے مقابلے میں آدھی ہوتی ہے۔ یوں عورت اور مرد میں فرق موجود ہے۔ یہ ایک طویل بحث ہے جو آئندہ چل کر اپنے مقام پر کتاب ہذا میں آئے گی۔ یہاں پر صرف اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ تحمل شہادت کی نسبت سے عورت ضعیف العقل ہے تو پھر اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی گواہی کسی صورت میں بھی قابل قبول نہیں ہوسکتی کیونکہ کوئی بھی ایسی جنس جو کہ اجتمائی طور پر ایک جیسا نظام ادراک (SYSYTEM OF PERCEPTION) رکھتی ہے اور اس کا ہر فرد مساوی ہے تو جو نقص ایک میں ہے وہ ہی نقص دوسرے میں بھی ہوگا۔ یعنی اگر ایک عورت کی عقل تحمل شہادت کے حوالے سے ضعیف اور کم تر ہے تو لازماً دوسری عورت کی عقل بھی اسی طور سے ضعیف اور کم تر ہوگی۔

بالفاظ دیگر یوں کہیں کہ عورتوں کی جماعت کا کوئی فرد بھی ادراک (PERCEPTION) کی صلاحیت نہیں رکھتا اور وہ تمام کی تمام ایک ہی معیار کی عقل

رکھتی ہیں۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ دو اشخاص جن کا ادراک ایک جیسا ہے ان کا ادراک مل کر ان جیسا یا ان کا مساوی ہو جائے جسکی قوت ادراک ان سے زیادہ ہے۔ یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی۔

عقل انسان کی ان صلاحیتوں میں سے ہے جس کو کسی اکائی میں ماپا نہیں جاسکتا اور نہ ہی اس کو جمع و تفریق کیا جاسکتا ہے۔ اس بات کی تصدیق قرآن کریم بھی کرتا ہے جب وہ خود کہتا ہے :

﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (۲۷)

ترجمہ : کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے۔

ہمیں اس آیات مبارکہ سے یہ کلیہ ملتا ہے جو لوگ جہالت کے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے ہیں وہ ان لوگوں کے مساوی نہیں ہو سکتے جو علم کی روشنی سے آشنا ہیں۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ اگر ہم عورت کو "ضعیف العقل" با اعتبار تحمل شہادت مان لیں تو وہ کسی صورت میں بھی مرد کے مساوی نہیں ہو سکتی جو کہ " قوی العقل مخلوق" ہے اور پوری عقل کا حامل ہے۔ پھر تو بات یوں ہو گی دو (۲) تو کجا سو (۱۰۰) عورتیں بھی مل کر ایسی گواہی نہیں دے سکتیں جو کے ایک مرد کی گواہی کے مساوی ہو سکے کیونکہ ان سب کی عقلوں میں وہ بات آ ہی نہیں سکتی جو ایک مرد کی

۲۷۔الزمر:۹

عقل میں آجائے گی۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ اگر دس افراد ایسے ہیں جن کی قوتِ بصارت کمزور ہے اور ایک شخص ایسا ہے کہ جس کی نظر بالکل صحیح ہے تو ایک ہی فاصلہ پر کھڑے رہتے ہوئے یہ دس کے دس افراد وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے جو کے وہ اکیلا شخص دیکھ رہا ہوگا۔ لہٰذا ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے ہیں جو مشاہدہ اس شخص کا ہے جس کی نظر درست ہے اس کے مقابلہ میں دوسرے دس افراد کا مشاہدہ برابر کی اہمیت رکھتا ہے۔

یہاں پر (COLOUR BLIND) شخص کی مثال بھی موزوں معلوم ہوتی ہے کہ اگر دو ایسے اشخاص موجود ہوں جو کہ رنگوں میں تمیز نہ کر سکتے ہوں یعنی (colour blind) ہوں تو ان کی عقل کا ادراک ایسے شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو کہ رنگوں کے بارے میں صحیح ادراک رکھتا ہو یعنی دو (colour blind) اشخاص مل کر بھی گلابی رنگ (جس کا وہ ادراک کرنے سے قاصر ہیں) کو اس طریقہ سے پہچان نہیں کر سکتے جس طریقہ سے صحیح نظر رکھنے والا شخص کر سکتا ہے۔ دو تو کجا دنیا کے تمام (colour blind) بھی گلابی رنگ کو اس طریقہ سے بیان نہیں کر سکتے جیسا ایک صحیح النظر شخص اس کو بیان کر سکتا ہے یا اس کو پہچان کر سکتا ہے۔

تحمل شہادت سے مراد ہے کے وہ معاملہ، فعل یا کوئی شے جس سے متعلق شہادت دی جا رہی ہو اس کا مکمل ادراک حاصل کرنا اور اس کو اپنے ذہن یا عقل میں محفوظ کر لینا ہے، لہٰذا اس حد تک ہم کو ایک بات تسلیم کر لینا پڑے گی کہ تحمل شہادت کی حد تک عورت اور مرد بالکل مساوی ہیں کیونکہ اگر یہ نہ مانا جائے تو ہم

کسی بھی مستغیثہ کے بیان پر یقین نہیں کر سکتے اور ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صرف مستغیثہ کے بیان پر مقدمہ کا فیصلہ کیا۔ دوسری بات یہ کہ تمام مکاتب فکر اور تمام مذاہب کے آئمہ اکرام اس امر پر متفق نظر آتے ہیں کہ ایسے معملات جہاں صرف عورتوں کی رسائی ہوتی ہے وہاں صرف ایک عورت کی گواہی قابل قبول ہے۔[۲۸] اور ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ ، خلفائے راشدین و صحابہ اکرام ، تابعین اور تبع تابعین سبھی اس پر فیصلہ دیتے رہے ہیں۔

مخصوص معاملات میں ایک عورت کی گواہی کی مصلحت

ایسے معملات جن میں عموماً مرد مطلع نہیں ہوتے اور عوماً عورتیں ہی مطلع ہوتی ہیں ان میں ایک عورت کی شہادت کافی ہے۔ یہ وہ رائے ہے جس پر تمام امت بالاجماع متفق ہے۔ اس سے ہم یہ بات تو اخذ کرنے میں حق بجانب ہونگے کہ من حیث الجنس عورت کی تحمل شہادت کے معاملے میں کوئی امر شرعی یا واقعاتی مانع نہ ہے۔ یعنی اس کو تحمل شہادت کا مکمل طور پر اہل سمجھا جاتا ہے، اسی لیے ہی تو تمام فقہاء کرام اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ عورتوں کے مخصوص معاملات میں صرف ایک عورت بھی گواہ ہوسکتی ہے اور محض اس ایک عورت کی گواہی پر بھی فیصلہ دیا جاسکتا ہے۔

۲۸۔ البدایہ فی تخریج احادیث الہدایہ، کتاب الشہادۃ، جلد ۳، صفح نمبر ۱۵۵۔
نیز قدوری، کتاب الشہادۃ۔ نیز دیکھیئے : کنزالد قائق، کتاب الشہادۃ۔ نیز دیکھیئے الردالمختار، جلد ۳ ص ۲۷۶۔ نیز دیکھیئے شرح الوقایۃ، جلد ۳، ص ۴۳۷۔ نیز دیکھیئے عین الہدایہ، جلد ۳ ص ۳۴۲۔ نیز دیکھیئے ردالمختار، جلد ۴، ص ۹۸۔ نیز دیکھیئے : مجلّہ احکام عدلیہ، دفعہ ۱۱۸۵

اب اس بحث سے یہ حاصل ہوا کہ تحمل شہادت کی حد تک عورت مرد کے بالکل مساوی ہے۔ نیز اس کی جو " ضعیف العقلی " بیان کی جاتی ہے وہ شہادت کے کسی اور پہلو سے متعلق ہے۔ اس سے عورت کی قوت ادراک یا تحمل شہادت کا کم از کم کوئی تعلق نہیں کیونکہ اگر اس کا کوئی تعلق موجود ہوتا تو عورتوں کے مخصوص معملات میں بھی کم از کم دو عورتوں کی گواہی کو تسلیم کیا جاتا۔

ثابت ہوا کہ حدیث مبارکہ میں اس ضمن میں جو " نقصان العقل " کے الفاظ عورت سے منصوب ہوئے ہیں۔ ان کا تعلق کم از کم تحمل شہادت سے نہیں ہے۔ تحمل شہادت کا زیادہ تر دارو مدار حواس خمسہ پر ہے کیونکہ انسانی عقل کا ادراک حواس خمسہ کا ہی مرہون منت ہے۔ اگر حواس خمسہ صحیح اور درست کام کر رہے ہیں تو کسی انسان کا ادراک صحیح اور درست ہوگا۔ اور اگر ان میں کوئی نقص ہو تو پھر ادراک بھی درست نہیں ہو سکتا۔

شہادت کے تحمل میں حواس خمسہ میں بھی زیادہ تر صرف دو حواس پر انحصار ہوتا ہے یعنی قوت سامعہ اور باصرہ (کسی بات کو سننے کی قوت اور کسی چیز کو دیکھنے کی قوت) ان دونوں صلاحیتوں کا تعلق جنس سے کچھ بھی نہیں ہے۔ تو یہ عقل کو صرف حقائق (DATA) فراہم کرتی ہیں۔

مذکورہ بالا بحث سے مندرجذیل امور واضح ہوتے ہیں :

ا۔ تحمل شہادت کا دارو مدار حواس خمسہ پر ہے۔

۲۔ تحمل شہادت کا تعلق گواہی کی جنس سے نہیں بلکہ اس کے حواس خمسہ سے ہے۔

۳۔ حدیث شریف کے جو الفاظ " نقصان العقل " (عقل کی کمی) کے بیان ہوئے ہیں ان کا اطلاق شہادت پر نہیں کیا جاسکتا۔ ان کا تعلق شہادت کے کسی اور پہلو سے ہے جو آگے چل کر زیر بحث آرہا ہے۔

۲. اَدائے شہادت

'ادائے شہادت' نہایت ہی اہمیت کی حامل ایک اصطلاح ہے۔ اس سے مراد :

> " کسی شخص (مرد و زن) کے عدالت میں شہادت دینے کا مکمل عمل ہے، یعنی عدالت میں شہادت دینے کے مکمل عمل کو اَدائے شہادت کہا جاتا ہے"۔

اَداے شہادت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ہم اسے مندرجذیل زاویوں سے بیان کرتے ہیں :

ا۔ ادائے شہادت اور شاہد (مرد وزن) کی جسمانی صلاحیتیں۔ یعنی اَدائے شہادت کے لیے شاہد میں کون کون سی جسمانی صلاحیتیں لازماً ہونی چاہئیں۔

۲۔ ادائے شہادت اور شاہد کی غیر جسمانی لازمی خواص یعنی شاہد کے وہ تمام اوصاف جو کہ ادائے شہادت کے لیے لازمی ہیں۔

۳۔ ادائے شہادت اور اس کے لیے دیگر عدالتی و شرعی لوازمات۔ یعنی وہ تمام عوامل جو کہ ادائے شہادت کے لیے لازمی اور انتہائی ضروری ہیں۔

ادائے شہادت اور شاہد کے جسمانی اوصاف

اس بارے میں علماء کرام کا تقریباً اتفاق ہی نظر آتا ہے کہ ادائے شہادت کے لیے شاہد میں کون کون سی جسمانی خصوصیات اور اوصاف موجود ہونا چاہئیں۔ یا باالفاظ دیگر ادائے شہادت کے وقت شاہد کو کن کن جسمانی عیوب سے پاک ہونا چاہیئے۔ ویسے تو اس نکتہ کی بھی ایک تفصیل ہیں لیکن ایک بات سمجھنے کی ہے کہ اصولی طور پر تمام وہ جسمانی صلاحیت جو کہ وہ تحمل شہادت کے لیے ضروری ہیں وہ ہی ادائے شہادت کے لیے بھی ضروری ہیں۔ یعنی

۱۔ شاہد کی قوت بصارت درست ہو یعنی وہ بلکل اندھا نہ ہو۔

۲۔ شاہد قوت گویائی رکھتا ہو یعنی وہ بلکل گونگا نہ ہو۔

۳۔ شاہد کی قوت سماعت درست ہو یعنی وہ بلکل بہرا نہ ہو۔

۴۔ شاہد بالغ ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

۵۔ شاہد صاحب عقل و دانست ہو، پاگل نہ ہو۔

آیئے ان تمام امور پر فرداً فرداً تفصیلی بحث کر لیتے ہیں۔

اَدائے شہادت اور قوتِ بصارت

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد کے نزدیک اندھا شخص ادئے شہادت نہیں کر سکتا۔ قطع نظر اس بات کے کہ تحمل شہادت کے وقت اس کی نظر تھی یا نہیں تھی۔ جبکہ امام ابویوسف کا قول ہے کہ اگر تحمل شہادت کے وقت شاہد کی قوتِ بصارت درست تھی اور اس نے واقعہ کو خود دیکھا تھا تب تو وہ ادائے شہادت بھی کر سکتا ہے۔[۲۹] امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے پیروکاروں کے نزدیک کسی اندھے شخص کی شہادت کسی مشہود بہ (جس کے متعلق شہادت دی جارہی ہو) کے بیان سے متعلق ادا ہو سکتی ہے، اس حالت میں کہ وہ نابینا شخص واضح طور پر اس کی آواز پہچانتا ہو۔ لیکن فعل سے متعلق کسی بھی نابینا شخص کی شہادت ادا نہیں ہو سکتی۔[۳۰]

ادائے شہادت اور قوتِ گویائی

قوت گویائی کے مسئلہ پر تمام علماء اکرام اور مذاہب ہمیں متفق نظر آتے ہیں کہ ایک شخص جو کہ بولنے پر قدرت نہیں رکھتا وہ ادائے شہادت بھی نہیں کر سکتا۔ تاہم امام مالک کے مذہب کے چند علماء کرام کی یہ رائے ہے کہ گونگا شخص کسی مسئلہ پر شہادت ادا کر سکتا ہے۔ لیکن جمہور کا وہ ہی مذہب ہے جو کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔[۳۱]

۲۹۔ البدائع والصنائع، جلد٦، ص ۲۸٦۔ نیز دیکھئے: فتح القدیر، جلد٦، ص ۲۸

۳۰۔ تحفۃ المجتھد، جلد۱۰، ص۱۱۔ نیز دیکھئے: المغنی، جلد۱۰، ص ۲۷۸

۳۱۔ البدائع والصنائع، جلد٦، ص ۲۲۸

ادائے شہادت اور قوتِ سماعت

یہ بھی ایک متفق مسئلہ ہے کہ مکمل طور پر بہرا شخص کسی ایسے مسئلہ میں شہادت نہیں دے سکتا جس کا تعلق واقعہ کے سننے سے ہو اور گر سننے سے نہیں بھی ہو تب بھی وہ ادائے شہادت سے محروم رہے گا۔

ادائے شہادت اور بلوغت

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ نا بالغ ادائے شہادت نہیں کر سکتا لیکن فقہ امام مالک میں ایک نابالغ دوسرے نابالغ کے خلاف قتل اور ضرب کے مقدمات میں ادائے شہادت کا متحمل ہو سکتا ہے۔ [۳۲]

ادائے شہادت اور پاگل پن

تمام علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ پاگل شخص کو ادائے شہادت کا حق حاصل نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر کسی ایک مذہب کا بھی اختلاف نظر نہیں آتا۔

اس ضمن میں ہم یہاں یہ ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جہاں تک شاہد کی جسمانی صلاحیتوں کا تعلق ہے، ادائے شہادت کے لئے ان صلاحیتوں کا مکمل طور پر مفقود ہونا لازم ہے۔ یعنی بلکل اندھا شخص ادائے شہادت سے محروم رہے گا۔ لیکن ایک شخص جس کی نظر تو ہے لیکن انتہائی کمزور ہے اس کو ادائے شہادت سے روکا بھی نہیں جا سکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ قاضی کو اس کمزوری کو لازما مد نظر رکھنا

۳۲۔ البدائع والصنائع، جلد ۶، ص ۲۸۰

ہو گا۔ یہی حال دیگر بیان کردہ جسمانی صلاحیتوں کا ہے۔
مزید ایک اہم بات کا خیال رکھنا بھی لازم ہے کہ گواہ کو عدالت میں پیش ہونے کا حق حاصل ہونا اور گواہ کے پیش ہو جانے کے بعد اور گواہی دے دینے کے بعد اس کی گواہی کو رد کرنا اور اسے قبول نہ کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اَدائے شہادت اور عقل

عقل ایک جسمانی قوت ہے۔ اور اس کا تمام تر دارومدار انسان کی حواس خمسہ پر ہوتا ہے کہ انسان کسی مسئلہ کے بارے میں حقائق حواس خمسہ کی مدد سے حاصل کرتا ہے۔ پھر اس کا تجزیہ اس کی عقل کرتی ہے۔

ویسے تو عقل ماپنے کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں، لیکن چونکہ اس وقت ہمیں اس مسئلہ کو ادائے شہادت کے تناظر میں دیکھنا ہے، لہٰذا ہم اس کو ایک انسانی صلاحیت یا قوت کے اعتبار سے ہی دیکھیں گے۔

جیسا کہ جسمانی صلاحیتوں کی کمی بیشی سے متعلق اصول بیان ہو چکا ہے کہ بات قوت بصارت کے حوالہ سے ہو رہی ہے تو سب سے معتبر شہادت اس شخص کی ہو گی جس کی نظر بالکل درست ہو گی۔ جو اندھا ہو گا وہ ادائے شہادت سے محروم رہے گا۔ یوں بات کچھ ایسی بنتی ہے کہ اگر کوئی گواہ عدالت میں ایسا آجاتا ہے جس کی نظر کمزور تو ضرور ہے لیکن وہ بالکل اندھا نہیں ہے تو پھر یہ فرض قاضی کا ہے کہ وہ اس کی شہادت کے حالات و واقعات سننے کے بعد حقیقت کو ڈھونڈ نکالے۔ قاضی کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ کسی ایسے شخص کو شہادت دینے سے منع کر دے جس کی نظر

کمزور ہو، نہ ہی قاضی یہ کر سکتا ہے کہ دو کمزور نظر رکھنے والے گواہوں کی شہادت ملا کر ایک صحیح نظر رکھنے والے شخص کی شہادت کے مساوی شہادت بنادے۔ کیونکہ اگر دونوں کی نظر مساوی طور پر کمزور ہے تو پھر جو بات ایک گواہ کے لیے دیکھنا مشکل ہے وہ دوسرے گواہ کے لیے بھی دیکھنا مشکل ہو گی۔

یہی حال دوسری جسمانی صلاحیتوں کا بھی ہے۔ اگر کوئی شخص قوت سماعت کچھ کم رکھتا ہو تو کوئی بھی دوسرا ایسا شخص جس کی قوت سماعت میں اتنا ہی نقص ہو وہ اس کے ساتھ مل کر پوری سماعت رکھنے والے شخص کے مساوی نہیں سن سکتے۔ لہٰذا قاضی کم سماعت رکھنے والے شخص کو ادائے شہادت سے منع کرنے کا حق تو نہیں رکھتا لیکن وہ یہ ضرور کرے گا کہ گواہ کی قوت سماعت اور مقدمات کے واقعات کو دیکھ کر مقدمہ کا فیصلہ کرے۔

بلکل یہی بات عقل کی بھی ہے کہ عقل ایک جسمانی صلاحیت ہے جو کہ انسانوں میں کم اور زیادہ ہوتی ہے۔ یعنی تمام مردوں کی عقل مساوی نہیں ہوتی اور تمام عورتوں کی عقل مساوی نہیں ہوتی۔ ادائے شہادت کے حوالے سے صرف وہ انسان (مرد و زن) ادائے شہادت کا حق نہیں رکھتا جو کہ ادائے شہادت کے وقت بالکل پاگل ہو یعنی عقل نہ رکھتا ہو۔ اس کے علاوہ تمام وہ انسان جو کہ پاگل نہیں ہیں ادائے شہادت کا حق رکھتے ہیں۔

یہاں پر پھر وہ ہی بات دُہرا دی جائے تو بہتر ہو گا کہ دو احمق مل کر ایک عقل مند شخص کے برابر گواہی نہیں دے سکتے۔ قاضی کو حق یا اختیار نہیں کہ وہ کسی

کم عقل کو ادائے شہادت کے حق سے محروم کرے۔ یوں اگر یہ بات بھی بطور مفروضہ تسلیم کرلی جائے کہ عورت بحثیت ایک جنس و نوع کم عقل ہوتی ہے تب بھی ہم اس کے ادائے شہادت کے حق کو اس سے نہیں چھین سکتے۔

بالفرض اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عورت کی عقل من حیث الجنس مرد کے مقابلے میں نصف ہوتی ہے تب بھی اس کو کسی مقدمہ میں محض اس بنیاد پر ادائے شہادت سے منع رکھنا کسی لحاظ سے بھی قرین انصاف اور درست نہیں ہے۔ ہاں ! اس کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے ہم عورت کی عقل کو تحمل شہادت کا اہل ہی نہ سمجھیں۔ ہم عورت کو اس قابل ہی نہ گردانیں کہ وہ تحملِ شہادت کی صلاحیت رکھتی ہے۔ بایں صورت تو ہم اس کا ادائے شہادت کا حق ختم کرسکتے ہیں لیکن فقہ کی کتب میں یہ بات بھی ہمیں نظر نہیں آتی۔

تمام فقہاء عورت کے حقِ ادائے شہادت کو تسلیم کرتے ہیں۔ صرف اختلاف یہ ہے کہ متقدمین کی رائے میں جہاں ایک مرد گواہ درکار ہے وہاں دو عورتوں کی گواہی ہونی چاہیۓ۔ کیا ہر مقدمہ میں ایک مرد کی گواہی دو خواتین کے برابر ہے ؟ یہ بحث اس وقت ہمارا موضوع نہیں۔اس وقت تو ہم صرف اس عمل کی ماہیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ دو عورتوں کی گواہی کا کیا مرتبہ ہے ؟۔۔۔

اگر ایک شخص جو کہ کمزور نظر رکھتا ہو وہ عدالت میں گواہی دے رہا ہے اور بغیر عینک لگائے ملزم کو پہچاننے سے قاصر ہو اور عینک کے ساتھ وہ ملزم کو پہچان سکتا

ہو اور قاضی اس گواہ کو عینک لگا کر ملزم کو پہچاننے کی اجازت دے دیتا ہے تو یہ ایک خصوصی رعایت یا مراعت ہو گی جو کہ اس شخص کو دی جائے گی۔

اور یہ مراعت اس لیے دی گئی کہ مقدمہ کی اصل حقیقت کو سامنے لایا جاسکے۔ یا اگر کوئی گواہ عینک کے بنا کوئی دستاویز نہیں پڑھ سکتا تو قاضی اس کو عینک لگا کر پڑھنے کو کہتا ہے تو یہ رعایت محض اس لیے ہو گی کہ مقدمہ کی سچائی سامنے آسکے۔ گواہ کو عینک کا سہارا لینے کی اجازت دینا قاضی کا اختیار ہے اور یہ اختیار قاضی کو لازماً استعمال کرنا چاہیئے۔ ہاں ! اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی مد نظر رہنی چاہئے کہ مقدمہ کے واقعات کیا ہیں اور آیا وقوعہ کے وقت گواہ نے عینک لگائی ہوئی تھی یا نہیں لگائی تھی ؟۔۔ نیز اس کی نظر کس قدر کمزور ہے ؟ !

اس کے برعکس اگر کسی گواہ کی نظر کمزور ہے لیکن اس کے باوجود وہ ملزم کو عدالت میں بغیر عینک لگائے پہچان لیتا ہے تو اس صورت میں قاضی گواہ کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ لازماً عینک لگائے اور پھر گواہ کو دیکھے۔

یہی صورت حال اس گواہ کی ہو گی جو کہ قوت سماعت کم رکھتا ہو لیکن قاضی اس کو عدالت میں آلہ سماعت (hearing aid) لگانے کی اجازت دے سکتا ہے تا کہ وہ قاضی کے سوالات اور وکیل صفائی کے سوالات صحیح طرح سمجھ اور سن سکے اور ان کا ٹھیک ٹھیک جواب دے سکنے کے قابل ہو سکے۔ کیونکہ اسلامی نظام عدل میں اصل مطمع نظر انصاف کی فراہمی ہے۔

عقل کا حال بھی انسان کی دیگر جسمانی صلاحیتوں سے مختلف نہیں ہے۔ اگر ادائے شہادت کے وقت کوئی گواہ اصل واقعہ کا کوئی حصہ، کوئی جزو یا کوئی بات بھول جاتا ہے تو اس کا تدارک تو ضرور ہونا چاہئے کیونکہ گواہ کے بھول جانے کی وجہ سے حق دار کا حق مارا جانا درست نہیں۔ اور عدالت میں صحیح صحیح گواہی پیش کرنا ایک ذمہ داری بلکہ فریضہ ہے۔ لہٰذا اگر ایک گواہ بوقت شہادت کچھ بھول جاتا ہے تو اس بات کا مداوا صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ دوسرا گواہ اس کو یاد کروادے لیکن اس کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ضروری ہیں:

ا۔ یہ کہ دونوں گواہ بالکل مساوی نوعیت کے ہوں یعنی دونوں گواہوں نے اس امر کو جس کے بارے میں وہ گواہی دے رہیں ہیں بالکل ایک طریقہ اور ایک انداز میں دیکھا ہو۔

۲۔ دونو گواہوں کے مساوی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ دونوں بیک وقت کسی واقعہ یا حقیقت کے برضا ورغبت یعنی مرضی سے گواہ بنے ہوں۔ مرضی سے گواہ بننے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان دونوں کو گواہ بنا رہا ہے وہ بھی راضی ہو اور جو گواہ بن رہے ہیں وہ بھی راضی ہوں۔ بصورت دیگر گواہان واقعہ کی روح کو سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔

۳۔ یہ کہ مشہود بہ (یعنی وہ واقعہ جس کے متعلق گواہی دی جارہی ہے) کسی بھی لحاظ سے حادثاتی نہ ہو کیونکہ حادثاتی واقعہ میں گواہوں کی مساوی

حیثیت ختم ہو جائے گی اور دونوں گواہ واقعہ کو اپنی اپنی نگاہ سے دیکھیں اور سمجھیں گے۔

مذکورہ بالا شرائط پوری ہوں گی تبھی یہ بات ممکن ہو سکے گی کہ ایک گواہ کے نسیان یا بھول جانے کے ازالے کے لیے دوسرا گواہ مدد کرے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے گواہی میں عقل کی لغزش کو دور کرنے کے اسباب مہیا کر دیئے ہیں۔

یہاں یہ امر ملحوظ رہنا چاہئے کہ جب اس قسم کے دو بلکل مساوی گواہ عدالت میں گواہی دے رہیں ہو ں تو اس میں کوئی ایک اصل بیان دے رہا ہو گا اور دوسرا صرف اسکی معاونت کے لیے موجود ہوگا کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ یاد دہانی کروادے۔ اور یہ طرۂ امتیاز صرف اسلام ہی کا ہے کہ اس نے یہ خصوصی رعایت صرف اور صرف عورتوں کے لیے مختص کردی ہے۔ مردوں کو یہ خصوصی رعایت حاصل نہیں ہے۔

یہاں ایک سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ کیا بھول صرف عورتوں سے ہی ہو سکتی ہے مردوں سے نہیں ہوسکتی؟۔۔۔ ہماری دانست میں اس کا جواب یہ ہے کہ بھول مردوں سے بھی ہو سکتی ہے بلکہ ہو تی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایسے معاملات جہاں پر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو یہ خصوصی رعایت دے کر حق دار کا حق بچانے کے لیے یہ سبیل مہیا کی ہے، وہاں مردوں کی گواہ کی بھول کا سد باب کرنے کے لیے ایک دوسرے مرد کا بیان لازمی قرار دیا ہے۔ یعنی ویسے تو اصول یہ ہو نا چاہئے تھا کہ اگر

مدعی کا دعویٰ کسی ایک عادل مسلمان کی گواہی اپنی حمایت میں رکھتا ہے تو اس کا فیصلہ کر دیا جائے۔ لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ دو مرد حضرات کی گواہی لازمی ہونی چاہیے۔ یعنی اگر کوئی بات پہلا گواہ بھول جاتا ہے تو اس کا مداوا دوسرا گواہ اپنے بیان میں کردے اور قاضی کو حق جاننے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے اور نہ ہی کسی کی بھول سے کسی کا حق مارا جائے۔ یہی وجہ ہے ایسے مقدمہ میں جہاں گواہ مرضی سے بنائے گئے ہوں حادثاتی نہ ہوں ان کا نساب اللہ تعالیٰ نے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں بیان کیا ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ یہاں یہ نہیں بیان فرمایا گیا کہ دو مرد یا چار عورتیں۔ اگر دو مرد یا چار عورتیں بیان کی جاتیں تو پھر گواہی دینے کا ایک کلیہ بیان کیا جا رہا ہوتا۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہاں پر کسی دستاویز کے تیار کرنے کے گواہوں کی تعداد بیان ہو رہی ہے اور ساتھ ہی ساتھ عورتوں کی دی گئی ایک خصوصی رعایت کا ذکر بھی بیان ہو رہا ہے۔

اس مقام پر ایک اور سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ اسلام تو بھرپور نظام عدل کی بات کرتا ہے اور دنیا کے سارے نظام ہائے قوانین کا اصول یہ ہے کہ شک کا فائدہ ہمیشہ ملزم یا فریق مخالف کو جاتا ہے۔ لیکن یہاں پر بظاہر معاملہ الٹ معلوم ہو رہا ہے کہ ایک عورت بیان دیتے ہوئے بھول بھی رہی ہو اور بیان میں ابہام یا شک بھی پیدا ہو رہا ہے۔ لیکن پھر بھی اسکا فائدہ فریق مخالف کو نہیں دیا جاتا۔

یہاں پر کچھ باتیں ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ :

ا۔ قرآن کریم نے عورتوں کو یہ مراعت صرف ان معاملات میں دی ہے جو کہ حادثاتی نوعیت کے نہیں بلکہ محض ایک پہلے سے موجود امر کی تشریح کی حیثیت رکھتے ہیں کہ ایک دستاویز عدالت میں موجود ہے، اب گواہ (خواہ مرد ہو یا عورت) اس بات کے ہیں کہ آیا یہ دستاویز اصلی ہے یا نقلی یا پھر اس دستاویز کی فلاں شق کا صحیح مفہوم کیا ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ عورتوں کو تو اکٹھے قاضی کے سامنے پیش ہونے کی اجازت دی جارہی ہے، لیکن ان میں سے اصل بیان صرف ایک ہی دے رہی ہے (دوسری بوقت ضرورت محض یاد دہانی کے لیے ہے) اور وہ بیان شمار بھی ایک ہی ہو رہا ہے۔ یعنی عددی لحاظ سے ان کا شمار صرف ایک گواہ کے طور پر کیا جارہا ہے۔

۳۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان دو عورتوں کا بیان حتمی نہیں تسلیم کیا جارہا ہے، پھر ایک مرد کا بیان بھی لیا جائے گا اور پھر اس مرد کا بیان اور پہلی عورت کے بیان کو ملا کر حقیقت تک پہنچا جائے گا۔

بد قسمتی سے ہوتا یہ رہا ہے کہ ان دونوں باتوں میں فرق نہیں کیا جاتا رہا اور جس شخص کی شہادت کو رد کیا جاسکتا ہے یا جس کو رد کر دینا چاہیئے اس کی شہادت کو اس شخص کی حیثیت سے خلط ملط کر دیا گیا ہے، جس کو سرے سے عدالت میں شہادت دینے کا حق حاصل نہیں۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ شخص ہر صورت میں بطور گواہ عدالت میں گواہی نہیں دے سکتا۔

اس باب میں ہمارے زیر بحث وہی افراد ہیں جو کہ ادئے شہادت کے حق سے ہر صورت سے محروم ہیں۔ تاہم وہ لوگ اس ضمن میں بلکل نہیں آتے جو شہادت تو کسی نہ کسی طور پر ادا کر سکتے ہیں لیکن ان کی شہادت کو قبول، رد یا کسی اور درجہ میں تسلیم کرنا تو قاضی کے اختیار پر منحصر ہے یا پھر مقدمہ کی نوعیت پر۔

۳. گواہ کی اہلیت

قرآن وحدیث کی رو سے کسی فرد (مرد وزن) کے گواہ ہونے کی شرائط اس بحث میں بیان کی جارہی ہیں۔ شاہد کا عدالت میں آکر قاضی کے سامنے ایسے امر کے متعلق بیان دینا جس کا وہ بلا واسطہ علم رکھتا ہو یعنی جس کا اس نے خود مشاہدہ کیا ہو یا وہ بات اس نے خود اپنے کانوں سے سنی ہو شہادت کہلاتا ہے۔

شاہد کی اہلیت سے متعلق علماء کرام اور فقہاء نے بہت سی شرائط بیان کی ہیں، کچھ نے ان کی شرائط کو عام اور خاص میں تقسیم کیا ہے اور کچھ نے ساری کی ساری شرائط اکٹھی بیان کردی ہیں لیکن ویسے جو شرائط عام بیان کی جاتی ہیں ان پر جمہور کا اتفاق رائے ہی نظر آتا ہے لیکن خاص شرائط میں علماء کا اختلاف ہے۔

یہاں پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ قبل اس کے کہ ہم اس طویل بحث اور تفصیل میں پڑ جائیں کہ کس مذہب کے کس فقیہ نے شاہد (گواہ) کی کیا شرائط بیان کی ہیں اور اس سے متعلق کیا دلائل پیش کیے ہیں اور پھر ان سب آراء کا تقابلی جائزہ لیا جائے۔ یہ بات زیادہ مناسب ہو گی کہ پہلے شاہد (گواہ) سے متعلق بنیادی اصول بیان

کر دیئے جائیں جو کہ احکامات قرآن اور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں وضع کیے گئے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

اولاً: ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد یا عورت گواہ ہو سکتا ہے۔

اس بات سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ جو اختلاف ہے وہ ذیلی باتوں کا ہے کہ کون کس قسم کے مقدمہ میں گواہ ہو سکتا ہے اور کس کی شہادت قابل قبول ہے اور کس کی شہادت قابل قبول نہیں ہے۔ اس بحث کو ہم آئندہ سطور میں صراحت سے بیان کریں گے۔ فی الحال مذکورہ بالا بنیادی کلیہ تک ہی ہم محدود رہتے ہیں۔

یہ بات قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت مبارکہ سے معلوم ہوتی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ﴾(۳۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لئے سچی گواہی دو۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ﴾(۳۴)

ترجمہ: " اے ایمان والو! خدا کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے

۳۳۔النساء:۱۳۵

۳۴۔المائدۃ:۸

لئے کھڑے ہو جایا کرو۔"

یعنی شہادت دینے کا حکم عمومی انداز میں دیا جارہا ہے۔ مطلب یہ کی تمام مسلمانوں کو اس کی تاکید ہو رہی ہے۔ کسی کی تخصیص نہیں کی جارہی کہ فلاں قسم کے مسلمانوں پر گواہی دیں یا فلاں قسم کے مسلمانوں پر گواہی دینا لازم ہے اور دوسروں پر نہیں۔ لہٰذا ان آیات کی روشنی میں مذکورہ بالا کلیہ اخذ کرنا غلط نہ ہو گا۔ احادیث نبوی ﷺ اور علماء کرام کی آراء سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ شہادت دینا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے۔ اور ظاہر ہے کوئی بات فرض اس وقت ہو سکتی ہے جب اس کو ادا کرنے کی مشروعیت موجود ہو۔ یعنی جب کہ اس فرض کو ادا کیا جاسکتا ہو یہ بات بلکل عجیب ہو گی کہ یوں کہا جائے کہ ایک فعل کسی پر فرض تو ہے لیکن وہ اس کو ادا نہ کر سکتا ہو۔ قانونی کتب کا یہ اسلوب ہوتا ہے پہلے قانون بیان کر دیا جاتا ہے اور پھر اس کی استثنائی کیفیات بیان ہوتی ہیں۔ قرآن جو کہ کائنات کی سب سے عظیم اور جامع کتاب ہے اس نے بھی قانونی معاملات میں یہی اسلوب رکھا ہے کہ پہلے ایک حکم عمومی انداز میں فرمادیا اور پھر اس کی استثنائی کیفیات بیان فرمادیں۔

اس مذکورہ بالا کلیہ (Rule) کی قرآن پاک نے مندرجذیل استثنائی صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ یعنی وہ لوگ جنہیں ادائے شہادت کے مقررہ معیار سے کم تر کیا ہے وہ یہ ہیں :

ا۔ ایسا شخص (مرد ہو یا عورت) جس پر قذف لگ چکی ہو

اس کی بنیاد مندرجذیل قرآنی آیتِ مبارکہ ہے :

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[۳۵]

"اور جو لوگ (زنا) کی تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی درّے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی قبول مت کرو (یہ تو دنیا میں ان کی سزا ہوئی) اور یہ لوگ (آخرت میں بھی مستحق سزا ہیں اس وجہ سے ہے کہ) فاسق ہیں۔

لیکن اس کے بعد اس کی استثنائی حالت کی بھی ایک استثنائی حالت (Proviso) بیان کی ہے:

﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[۳۶]

ترجمہ: "لیکن جو لوگ اس (تہمت) لگانے کے بعد خدا کے سامنے توبہ کر لیں اور اپنی (حالت) کی اصلاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت اور رحمت کرنے والا ہے"۔

۳۵۔ النور: ۴

۳۶۔ النور: ۵

۲۔ حصہ دار گواہ

ایسی شہادت جسے انگریزی قانون میں (interested witness) کہتے ہیں وہ بھی ادائے شہادت نہیں کر سکتا۔ اس کی بنیاد مندرجذیل احادیث نبویہ ﷺ پر ہے:

لاتقبل شَهَادَةَ الْوَلَد لوالده وَلَا الْوَالِدِ لوَلَده وَلَا الْمَرْأَة لزَوجهَا وَلَا الزَّوْج لامْرَأَته وَلَا العَبْد لسَيِّده وَلَا الْمولى لعَبْدِهِ وَلَا الْأَجِير لمن اسْتَأْجرهُ لم أَجِدهُ وَيُقَال إِن الْخصاف أخرجه بِإِسْنَادِهِ مَرْفُوعا وَأخرج عبد الرَّزَّاق وَابْن أبي شيبَة من قَول شُرَيْح نَحوه وَزَاد فِيهِ الشَّرِيك لشَرِيكه فِي الشَّيْء بَينهمَا (۳۷)

ترجمہ: بیٹے کی شہادت باپ کے لیے قبول نہیں کی جائے گی اور والد کی شہادت بیٹے کے لیے، نہ بیوی کی شہادت خاوند کے لیے اور نہ خاوند کی بیوی کے لیے، نہ ملازم کی آقا کے لیے اور نہ آقا کی ملازم لے لیے اور نہ ہی مزدور کی شہادت اس کے لیے قبول ہو گی جو اسے مزدوری پر رکھے۔ کہا گیا ہے کہ خصاف نے اسے اس کی اسناد کے ساتھ مرفوع روایت کیا ہے، عبدالرزاق اور ابن شیبہ نے شریح کے قول کے ذریعہ اس کی مانند بیان کیا ہے جس میں یہ الفاظ زائد

۳۷۔ (الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ (ج ۲/ص ۱۷۲)

ہیں کہ شریک کی شہادت دوسرے شریک کے لیے اس چیز کے
بارے میں قبول نہیں ہو گی جو اس میں مشترک ہو۔

ایسے تعلق جو کہ شہادت پر اثر انداز ہو سکتے ہیں وہ اس ضمن میں آتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ قرابت داری کی بنیاد پر شہادت۔
۲۔ شاہد اور مشہود بہ کے درمیان مالک اور نوکر کے رشتے کا وجود
۳۔ شاہد اور مشہود بہ کا کاروباری تعلق جبکہ شہادت بھی ایسے معاملہ میں ہو جس کا تعلق ان دونوں کے مشترکہ کاروبار سے ہو۔
۴۔ شاہد کی مشہود سے کوئی ذاتی دشمنی ہو۔

خائن مرد یا عورت ادائے شہادت نہیں کر سکتے

یعنی ایسے افراد جو کہ خیانت کے جرم میں مجرم قرار دیئے جا چکے ہوں اور وہ اس کی سزا بھی جھیل چکے ہوں ادائے شہادت کے اہل نہیں ہیں۔ حدیث مبارکہ ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ، وَلَا مَجْلُودٍ حَدًّا وَلَا مَجْلُودَةٍ، وَلَا ذِي غِمْرٍ لِأَخِيهِ، وَلَا مُجَرَّبِ شَهَادَةٍ، وَلَا الْقَانِعِ أَهْلَ الْبَيْتِ لَهُمْ وَلَا ظَنِينٍ فِي وَلَاءٍ

وَلَا قَرَابَةٍ»[۳۸]

"حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خیانت کرنے والا مرد اور خیانت کرنے والی عورتوں کی شہادت جائز نہیں، نہ اس کی شہادت جائز ہے جس کو حد میں دُرّے مارے گئے ہوں، یا اپنے بھائی سے دشمنی رکھنے والے کی اور نہ عادی کی گواہی جائز ہے، نہ اس کی گواہی گھر والوں کے لیے جو ان گھروں کے ماتحت ہواور نہ اس کی جو ملکیت یا قرابت داری سے متہم ہو، گواہی جائز ہے"۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ سے مروی ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ، وَلَا خَائِنَةٍ، وَلَا مَحْدُودٍ فِي الْإِسْلَامِ، وَلَا ذِي غِمْرٍ عَلَى أَخِيهِ»[۳۹]

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت اور اپنے بھائی سے دشمنی رکھنے والے کی

۳۸۔ سنن الترمذی کتاب الشہادۃ (ج۴/ص۵۴۵)

۳۹۔ (سنن ابن ماجہ (ج۲/ص۷۹۲) حدیث نمبر: ۲۳۶۶

شہادت کو ردّ کیا ہے اور کسی گھر پر قناعت رکھنے والی گواہی اس گھر والوں کے لیے ردّ کی ہے اور اوروں کے لیے جائز رکھی "۔

خلاصہ کلام یہ ہے ہوا کہ کلیہ (Rule) ہے:
"ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد اور عورت گواہ ہو سکتا ہے"۔

پہلی استثنائی حالت (First Exception):

"جو کہ محدود بحد قذف ہو اور توبہ بھی نہ کی ہو، اگر توبہ کر لے تو پھر گواہ ہو سکتا ہے"۔ (چاہے معاملہ دیوانی نوعیت کا ہو یا فوجداری۔)

دوسری استثنائی حالت (Second Exception)

"خیانت کے جرم میں سزا یافتہ مرد یا عورت" (چاہے معاملہ دیوانی نوعیت کا ہو یا فوجداری)

تیسری استثنائی حالت (Third Exception):

اگر گواہ کا مشہود بہ سے مندرجذیل رشتوں میں سے کوئی تعلق ہو (اگر معاملہ فوجداری نوعیت کا ہو تو۔ اور گواہ ملزم کی طرف سے ہو):

۱۔ باپ بیٹے کے حق میں شہادت نہیں دے سکتا۔
۲۔ بیٹا باپ کے حق میں شہادت نہیں دے سکتا۔
۳۔ میاں بیوی کے حق میں شہادت نہیں دے سکتا۔

۴۔بیوی میاں کے حق میں شہادت نہیں دے سکتی۔
۵۔نوکر مالک کے حق میں شہادت نہیں دے سکتا۔
۶۔مالک نوکر کے حق میں شہادت نہیں دے سکتا۔
۷۔کاروباری شراکت دار ایک دوسرے حق میں شہادت نہیں دے سکتا جن کا تعلق ان کے مشترکہ کاروبار سے ہو۔
۸۔کسی کے زیر اثر رہنے والے کی اس کے ولی کے حق میں شہادت نہیں ہوسکتی۔

چوتھی استثنائی حالت (Fourth Exception):
' عادی یا اجرتی گواہ بھی شہادت اَدا نہیں کرسکتا'۔

پانچویں استثنائی حالت (Fifth Exception):
'وہ شخص جو کہ واقعات مقدمہ سے قطع نظر مشہود بہ سے ذاتی دشمنی رکھتا ہو'۔

ادائے شہادت کی اب تک بحث سے مندرجذیل امور واضح ہوئے ہیں:
ا۔ادائے شہادت ہر عاقل و بالغ کا حق ہے تاوقتیکہ:
الف) شاہد میں تحمل شہادت کی شرائط میں کوئی شرط کم ہو۔
ب) شاہد (مرد یا عورت) ان عذرہائے شرعی جو کہ مانع ادائے شہادت ہیں ان میں سے ایک یا ایک سے زیادہ کی زدّ میں آتا ہو۔

ج) شاہد میں کوئی ایسا عذر شرعی موجود ہو جس کو قاضی صوابدیدی اختیار استعمال کرتے ہوئے ختم نہ کر سکتا ہو۔

۲۔ کوئی ایسی نص قطعی نہیں ہے (یعنی قرآنی کی کوئی آیت یا حدیث نبوی ﷺ) جو کہ عورتوں کو محض عورت ہونے کے ناطے کسی قسم کے مقدمہ میں گواہ بننے سے منع کرتی ہو۔

۳۔ فقہاء اور علماء کرام کی جو آراء عورتوں کے حدود و قصاص کے معاملات میں گواہ بننے سے روکنے کا حکم رکھتی ہیں وہ ان علماء کرام کی ذاتی آراء ہیں جو کہ کسی آیت یا حدیث پر مبنی نہیں بلکہ وہ ان علماء نے اپنے دور کے معاشرتی حالات کے پیش نظر دی تھیں اور ان آراء سے اختلاف شرعاً جائز ہے۔ یاد رہے کہ زہری کی روایات کردہ چند روایات اس ضمن میں موجود ضرور ہیں لیکن تمام کی تمام روایات میں لفظی درایتی اضطراب پایا جاتا ہے۔ نیز ابن حجر العسقلانی نے زہری کی روایات کے متعلق تدلیس کی رائے بھی دی۔ اس ضمن میں محترم محمود احمد غازی نے اپنے ایک مقالہ میں جو کہ اپریل ۱۹۹۳ء کو مجلّہ 'فکر و نظر' اسلام آباد میں شائع ہو چکا ہے۔ ایک جامع اور سیر حاصل بحث فرمائی ہے جو ایسی تمام رویات کی تشریح کرتی ہے۔[۴۰]

۴۰۔ حدود اور قصاص کے مقدموں میں عورتوں کی گواہی، ڈاکٹر محمود احمد غازی، فکر و نظر، اپریل ۱۹۹۲ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

۴۔ گواہ بننے کی اہلیت نہ رکھنے میں اور شہادت ادا کرنے کے بعد اس کے ردّ ہو جانے یا قبول نہ ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

۵۔ عورت اور مرد کے ادائے شہادت کے طریقہ کار میں بعض صورتوں میں فرق ہے جو قرآن حکیم نے ہمیں بتایا ہے:

الف) پہلی صورت تو یہ ہے کہ عورت اور مرد دونوں ادائے شہادت بالکل ایک انداز میں کریں۔ یعنی ادائے شہادت میں دونوں مساوی ہیں۔ مطلب یہ کہ اگرشاہد مرد ہے تو وہ عدالت میں اکیلا آکر گواہی دے اور اگر عورت ہے تو وہ بھی اکیلی ہی آکر گواہی دے۔

ب) دوسری صورت صرف عورتوں کے لیے ہے۔ یعنی یہ خصوصی مراعت ہے جو کہ صرف عورتوں کو حاصل ہے اور مردوں کو حاصل نہیں ہے کہ جب ایک مرد اور دو عورتیں کسی دستاویز کے حاشیہ کی گواہ ہوں اور معاملہ مالی نوعیت کا ہو تو اس صورت میں وہ دونوں عورتیں مل کر ایک گواہی دے سکتی ہیں۔ یعنی بیک وقت عدالت میں بیان دے سکتی ہیں۔ اور ان کی ایک گواہی کے بعد حاشیہ کے دوسرے گواہ یعنی مرد گواہی بھی ہو گی یا پہلے مرد کی گواہی ہو گی اور اس پر ان دونوں عورتوں کی گواہی ہو گی۔

ج) یہ بات ممکن نہیں کہ جس دستاویز پر ایک مرد اور دو عورتیں یا دو
مرد گواہ ہو نا قرار دیئے گئے وہاں پر چار عورتیں حاشیہ کی گواہ ہو
جائیں اور مرد کوئی نہ ہو۔ یہ کوئی نساب نہیں بلکہ ایک خاص
استثنائی صورت میں عورتوں کو خصوصی مراعات دی جا رہی
ہیں۔ ہر قسم کے مقدمہ میں ایک مرد کے بجائے دو عورتیں مل
کر گواہی نہیں دے سکتی۔ یوں انصاف کی روح مجروح ہو گی۔

شاھد کے غیر جسمانی خواص سے متعلقہ ادائے شہادت کی شرائط

ادائے شہادت کی شرائط میں کچھ ایسی بھی شامل ہیں جو کہ گواہ (مرد یا
عورت) کے غیر جسمانی خواص سے وابستہ ہیں جیسا کے شاہد کا محدود با حد قذف نہ
ہو نا۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ:
سَمِعْتُ أَبَا جَمْرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي زَهْدَمُ بْنُ مُضَرِّبٍ، قَالَ:
سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " خَيْرُكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ
يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ -قَالَ عِمْرَانُ: فَمَا أَدْرِي: قَالَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ قَوْلِهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا- ثُمَّ
يَكُونُ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَشْهَدُونَ وَلاَ يُسْتَشْهَدُونَ، وَيَخُونُونَ

وَلاَ یُؤْتَمَنُونَ، وَیَنْذُرُونَ وَلاَ یَفُونَ، وَیَظْهَرُ فِیهِمُ السِّمَنُ" (۴۱)

ترجمہ: امام بخاری نے محمد بن بشار سے روایت کیا کہا ہم سے غندر نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا، کہا ہم سے ابوحمہ نے بیان کیا کہ میں نے زہدم بن مضرب (رض) سے سنا کہ میں نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے سنا اور انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تم میں سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ (صحابہ) ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے (تابعین) پھر وہ لوگ جو اس کے بھی بعد آئیں گے۔ (تبع تابعین) عمران نے بیان کیا کہ میں نہیں جانتا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دو زمانوں کا (اپنے بعد) ذکر فرمایا یا تین کا پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ تمہارے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو چور ہوں گے، جن میں دیانت کا نام نہ ہوگا۔ ان سے گواہی دینے کے لیے نہیں کہا جائے گا۔ لیکن وہ گواہیاں دیتے پھریں گے۔ نذریں مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے۔ مٹاپا ان میں عام ہوگا۔

نیز اس آیت قرآنی سے بھی اس کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے:

۴۱۔ (صحیح البخاری (ج۸/ص۹۱) حدیث نمبر ۶۴۲۸

﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا﴾ [۴۲]

ترجمہ: اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب وہ گواہ بننے کے لیے بلائے جائیں۔

لیکن اس کی ایک استثنائی حالت یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا کوئی ایسا حق ہو کہ وہ اس کے اپنے علم میں نہ ہو اور کسی دوسرے شخص کو اس کا علم ہو تو پھر ایسی صورت میں شہادت بدون دعویٰ دی جاسکتی ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ، أَوْ يُخْبِرُ بِشَهَادَتِهِ، قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا» [۴۳]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا میں تمہیں سب سے بہترین گواہ کے بارے میں نہ بتاؤں کہ وہ ایسا ہوتا ہے کہ جو پوچھے جانے سے قبل خود گواہی دے دے۔

جمہور علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ محدود باحد قذف گواہی نہیں دے سکتا اور اس کی دلیل وہ قرآن کی اس آیت مبارکہ سے لیتے ہیں:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ

۴۲۔ البقرۃ: ۲۸۲

۴۳۔ سنن ابی داود (ج۳/ص۳۰۵)

شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (۴۴)

ترجمہ: اور جو لوگ (زنا) کی تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی درّے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی قبول مت کرو (یہ تو دنیا میں ان کی سزا ہوئی) اور یہ لوگ (آخرت میں بھی مستحق سزا ہیں اس وجہ سے ہے کہ) فاسق ہیں۔

لیکن احناف کے نزدیک اگر وہ شخص توبہ کرلیتا ہے تو پھر وہ ادائے شہادت کا حق رکھتا ہے۔ (۴۵)

ادائے شہادت کے لیے دیگر عدالتی و شرعی لوازمات

ذیل میں ادائے شہادت کے وہ لوازمات بیان کئے جا رہے ہیں جو عدالتی یا جو کہ شرعی نوعیت کے ہیں۔

ادائے شہادت کے لیے دعویٰ کا ہونا لازمی ہے۔ جب تک دعویٰ قاضی کے پاس نہیں لایا جائے گا، جب تک اس سے متعلق کوئی شہادت نہیں دی جاسکے گی۔ اس پر تمام علماء کرام متفق نظر آتے ہیں۔ (۴۶)

۴۴۔ النور: ۴

۴۵۔ البدائع والصنائع، جلد ۶، صفحہ ۲۷۱۔ نیز دیکھئے: فتح القدیر، جلد ۶، صفحہ ۲۹

۴۶۔ تبیین الحقائق، جلد ۴، ص ۲۲۹۔ نیز دیکھئے: المغنی، جلد ۹، ص ۴۹۹۔ نیز دیکھئے: تاج المذہب، جلد ۴، ص ۱۰۹، جلد ۹، ص ۴۲۹

لیکن یہ بات حقوق العباد کے مقدمہ میں ضروری ہے مثلاً: لین دین کا مسئلہ وغیرہ اور اس بات کی مشروعیت مندرجہ ذیل احادیث سے ملتی ہے:

اس اصول کی دوسری استثنائی حالت نہایت اہم ہے کہ حقوق اللہ یعنی حدود وغیرہ کے معاملہ میں تمام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ بغیر مقدمہ کے گواہی دے دینی چاہیئے اور کسی شخص کا شکایت کرنا بھی لازمی نہیں ہے۔ یعنی مقدمہ کا وجود ایک معاملات میں گواہی کے لیے ضروری نہیں ہے۔[۴۷]

مقدمہ سے متعلق ادائے شہادت کی دیگر شہادت میں:

ا۔ گواہوں کا فریق مقدمہ کے بیان سے متفق ہونا۔

۲۔ دعویٰ اور گواہ کے بیان کا توافق۔

۳۔ گواہ کے اپنے بیان میں لفظ شہادت کا استعمال۔

۴۔ شہادت کا عدالت کے اندر ہونا لازمی ہے۔

ادئے شہادت کے اس پہلو کے مطالعہ سے بھی یہ امر سامنے آتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اولین چیز حق دار کا حق ہے اور لوگوں کی آسانی مطلوب ہے۔ یعنی اجماع علماء ہے کہ حقوق العباد میں بن بلائے شہادت نہیں دی جاسکتی لیکن اگر کسی کا لاعلمی کی بنیاد پر حق مارا جا رہا ہو تو پھر جائز بلکہ بعض صورتوں میں لازمی ہے۔ لہٰذا عقل اس بات کو تو مانتی ہے کہ جہاں شریعت کا مقصد (Intension of Legislature) ہی حق دار کا حق بچانا اور قوائد و ضوابط کی پیچیدگیوں

۴۷۔ المغنی، جلد ۹، ص ۲۱۵

میں پڑنا نہ ہو وہاں یہ کیسے ممکن ہے کہ اکیلی عورت کی گواہی نا قابل قبول ہو؟

مقدمہ کی نوعیت کا ادائے شہادت پر اثر

یہی وہ نکتہ ہے جو کہ اس تحریر کا اصل محرک ہے یا یوں کہیے کہ اس کتاب کی اصل روح ہے۔ مراد یہ کہ مقدمہ کی نوعیت کا ادائے شہادت پر کیا اثر پڑنا چاہیئے؟۔۔۔اور کیا اثر پڑتا ہے؟ نیز اس کے کیا اسباب اور محرکات ہیں؟۔۔۔اس بحث کو بہت ہی دقیق انداز میں دیکھنا انتہائی ضروری ہے۔ لہٰذا اس بحث کو بھی ہم کچھ حصوں میں تقسیم کریں گے۔

سب سے پہلے جو بات سمجھ لینی چاہیئے وہ ہے مقدمہ اور شہادت کا آپس میں تعلق۔ کسی بھی مقدمہ کی وجہ مدعی کے ساتھ ہونے والی زیادتی یا اس کی حق تلفی ہوتی ہے۔ یعنی اگر مدعی سچا ہے تو وہ عدالت میں حق اور انصاف کی تلاش میں آتا ہے اور عدالت اس مدعی کا حق صحیح طور پر معلوم کر کے اس کو دلاتی ہے۔ شہادت عدالت کا وہ آلہ ہے جس کی مدد سے وہ مقدمہ کی پیچیدگیوں اور الجھاؤ میں سے سچ تلاش کرتی ہے۔ لہٰذا شہادت اور مقدمہ کے اس بنیادی تعلق کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اسلام میں ادائے شہادت میں کوئی رکاوٹ ایسی نہیں ہو سکتی جس سے بلاجواز قاضی کو حق معلوم کرنے میں ناکامی رہے۔

یہاں پر ایک بات کہہ دینا ہم مناسب سمجھتے ہیں اور بتوفیق اللہ کہنے کی ہمت بھی کر لیتے ہیں کہ دین اسلام کے نظام عدل میں ایسی کوئی گنجائش موجود نہیں کہ کوئی مدعی محض تکنیکی وجہ سے اپنا حق عدالت سے حاصل نہ کر سکے یا یوں کہیے کہ

اسلامی نظام عدل ہمیں کوئی ایسی صورت نہیں بتا سکتا کہ کوئی شخص کسی واقعہ کا گواہ ہو یعنی تحمل شہادت کی صلاحیت رکھتا ہو اور تحمل شہادت بھی کرے اور جسمانی لحاظ سے ادائے شہادت کی صلاحیت رکھتا ہو اور دیگر غیر جسمانی عیوب جو کہ مانع ادائے شہادت ہیں ان سے بھی پاک ہو، لیکن شہادت نہ دے سکے۔ یہ بہت ہی مشکل اور ثقیل بات ہو جائے گی اگر اس بات کو یونہی مان لیا جائے۔

ادائے شہادت اور قبولیت شہادت میں فرق:

قرآن کریم اور سنت مطہرہ میں کہیں پر یہ ذکر نہیں ہے کہ کسی شخص کو ادائے شہادت سے اس کی جنس یا عدد کی بناء پر روکا جائے۔ یعنی اسلامی نظام عدل میں ہر شخص کو مکمل اور مساوی حق ادائے شہادت حاصل ہے۔ بالفاظ دیگر قاضی کو قرآن نے یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ کسی بھی شخص کو جو کہ شہادت دینا چاہتا ہو اس کو شہادت دینے سے اس کی جنس یا نسل کی وجہ سے منع کر دے۔

یعنی کسی عورت کو ادائے شہادت سے محض اس وجہ سے شرعاً و قانوناً نہیں روکا جاسکتا کہ وہ اکیلی ہے اور اس کے ساتھ دوسری نہیں ہے۔ قرآن نے جہاں پر یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنی مرضی کے دو مرد اور دو عورتیں گواہ کرلیا کرو اور وہاں پر بھی یہ نہیں فرمایا گیا کہ یہ امر لازمی، واجب یا فرض ہے۔ بلکہ ایسا کرلینا اچھا ہے۔ اصولِ فقہ کی رو سے یہاں پر امر کا صیغہ وجوب کے لیے نہیں بلکہ ارشاد کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اور دوسرا اہم نقطہ یہ ہے کہ یہاں بات فوجداری مقدمات یعنی، ڈکیتی اور قتل وغیرہ کی نہیں ہو رہی کیونکہ ایسے مقدمات میں تو گواہ موقع کے ہوتے ہیں یعنی

واقعاتی یا حادثاتی ہوتے ہیں۔ جن کے سامنے کسی جرم کی واردات ہوئی ہوتی ہے لہٰذا ایسے مقدمات میں تو مرضی کے گواہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا مذکورہ بالا آیت میں بات کسی خاص قسم کے دیوانی مقدمات کی ہو رہی ہے جن میں گواہ فریقین کی مرضی کے ہو سکتے ہوں۔

باب چہارم

قرآن وسنت اور شہادت

باب چہارم
قرآن وسنت اور شہادت

شہادت حق یا استحقاق نہیں بلکہ ایک ذمہ داری

اگر ہم ان قرآنی آیات کا بغور مطالعہ کریں جن میں بظاہر عدالتی شہادت دینے کا ذکر و حکم موجود ہے تو ہمیں واضح طور پر اس حقیقت کا علم ہو گا کہ عدالت میں یا کسی قاضی کے سامنے کسی شخص کا شہادت دینے کا عمل ایک بھاری اور اہم ذمہ داری ہے۔

یوں اگر کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ کسی جنس پر کسی فریضہ کی ادائگی کے بارے میں کچھ کم ذمہ داری ڈالتے ہیں تو یہ اس شخص، جنس یا گروہ کی کسی بھی لحاظ سے حق تلفی نہیں کہلائے گی۔ مثال کے طور پر قرآن کریم میں نماز ادا کرنے کی خصوصی تاکید آتی ہے۔ نماز بلا شبہ ایک اہم فریضہ اور رکنِ دین ہے، نیز اس کا مقررہ وقت پر دِن میں پانچ مرتبہ ادا کرنا ہر بالغ مسلمان مرد وزن پر لازم ہے۔ لیکن عورت کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے خصوصی ایام میں اس کی ادائگی سے رخصت دی ہوئی ہے۔اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں لیا جاسکتا کہ یوں عورت کی حق تلفی کی گئی ہے بلکہ ان کے ساتھ خصوصی برتاؤ کیا گیا ہے۔ اور ان کی ذمہ داری کو کم کیا گیا ہے۔ بعینہٖ رمضان المبارک میں روزہ رکھنا ہر بالغ مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے لیکن مریض اور مسلمان کو رخصت یہاں بھی دی گئی ہے۔ یہی معاملہ حج کا ہے جو کہ ارکانِ اسلام میں سے اہم رکن ہے لیکن تمام مسلمانوں پر اس کی ادائگی کی ذمہ داری نہیں ہے۔ صرف

صاحبِ استطاعت لوگوں پر فرض ہے۔ یوں یہ کہنا کہ اس حکم شرعی سے ان لوگوں کی حق تلفی ہوتی ہے جو کہ غریب ہیں اور حج کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں، تو یہ بات بالکل غلط ہوگی۔ حالانکہ حقیقت میں تو یہاں غریب لوگوں کی ذمہ داری (Duty) میں تخفیف کی گئی ہے۔

زکوۃ دینا فرض عین ہے لیکن ہر مسلمان پر نہیں، صرف صاحبِ نساب پر۔ لہٰذا جن لوگوں پر سے شرعاً ادائگی زکوۃ کی ذمہ داری ہٹادی گئی ہے ان کی کوئی حق تلفی نہیں ہوئی بلکہ ان کی ذمہ داری کم کردی گئی ہے۔ اس کی سب سے بڑی اور اہم مثال سیرت نبوی ﷺ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی تمام حیات پاک میں یہ فریضہ ادا ہی نہیں کیا کیونکہ ان پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں تھی۔ دوسرے الفاظ میں ان کی شرعی ذمہ داری اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق کم تھی۔

دین کی تبلیغ کرنا اور جہاد فی سبیل اللہ فرض ہے، لیکن مسلمانوں کی تمام جماعت پر نہیں بلکہ چند لوگوں پر ہے۔ یوں جن لوگوں پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا ان کی کوئی حق تلفی نہیں ہوتی صرف ان کی ذمہ داری کم ہو جاتی ہے۔

بعینہٖ ادائیگی شہادت کا مسئلہ بھی بالکل ان دیگر مسائل کی طرح ہے کہ گو بعض شہادت دینا فرض یعنی ذمہ داری ہے۔ لیکن بعض مقامات میں عورتوں پر یہ ذمہ داری کم کردی گئی ہے جس سے ان کی کسی قسم کی حق تلفی نہیں ہوتی بلکہ ان کو ایک خصوصی رعایت (privilege) حاصل ہو جاتی ہے جو کہ مردوں کو کسی طور پر حاصل نہیں ہوتی۔

مندرجہ ذیل آیات مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت دینا ذمہ داری (Duty) ہے نہ کہ حق۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾(۴۸)

ترجمہ: اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو وہ شخص اگر امیر ہے تو اور غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے سو تم خواہش نفس کا اتباع مت کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کج بیانی کروگے یا پہلو تہی کروگے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ﴾(۴۹)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو اپنی اپنی گواہیوں پر مضبوطی

۴۸۔النساء: ۱۳۵

۴۹۔المعارج: ۳۳

سے پر قائم رہتے ہیں۔

﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (۵۰)

ترجمہ: اور شہادت کا اخفاء مت کرو اور جو شخص اس کا اخفا کرے گا اس کا قلب گنہگار ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ تمھارے کیے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں۔

﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا﴾ (۵۱)

ترجمہ: اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب وہ گواہ بننے کے لیے بلائے جائیں۔

مندرجہ بالا دو آیات قرآنیہ خصوصاً (النساء ۱۳۵) اور (المائدۃ:۸) ایسی ہیں جو کہ کلی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ شہادت دینا ایک فریضہ ہے جو کہ تمام مسلمانوں پر عائد ہے۔ اِن دو آیات کو غور سے پڑھا جائے تو ہم پر مندرجہ ذیل باتیں واضح ہو جائیں گی:

ا۔ شہادت دینا فرض ہے، اور ہماری دوستی اور دشمنی دونوں کو اس فرض کی ادائیگی میں رکاوٹ نہیں بننا چاہئے۔

۵۰۔البقرۃ: ۲۸۳

۵۱۔البقرۃ: ۲۸۲

۲۔ دونوں آیات کی ابتداء عمومی اندازِ بیان سے ہو رہی ہے یعنی، اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ قرآن کریم کا یہ اندازِ افتتاح آیت یا تخاطب ہر اس حکم سے پہلے استعمال ہوا ہے جہاں پر مسلمانوں پر بغیر کسی تفریق کے عمومی حکم نازل فرمانا مقصود تھا۔ جیسے نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ کا حکم کہ پورے قرآن میں تانیث کا صیغہ استعمال کر کے نماز یا روزے وغیرہ کی فرضیت کا حکم نازل نہیں فرمایا گیا ہے۔ سارے مقامات پر مذکر مخاطب کا صیغہ ہی استعمال ہوا ہے اور اس میں عمومیت کے معانی شامل ہیں۔ یعنی اس کا اطلاق عورت اور مرد دونوں پر ہوتا ہے۔

یوں یہ بات معلوم ہوئی کہ منشاءِ الٰہی یہ ہے کہ شہادت کے معاملہ میں مسلمانوں کے درمیان تفریق بر بناء قوم یا نسل یا جنس موجود نہں بلکہ یہ عورت اور مرد دونوں پر یکساں فرض ہے۔ کسی پر اس کی فرضیت میں کمی، تخفیف یا زیادتی کہیں بھی معلوم نہیں ہوتی۔

عدالتی شہادت سے متعلق
قرآن میں حکم اجمالی نوعیت کا ہے

اب اگر ہم قرآن کے ان اجمالی احکامات کا جائزہ لیں جو اس نے عدالتی شہادت کے متعلق بیان فرمائے ہیں تو ہمیں مندرجہ ذیل باتیں سمجھ میں آئیں گی:

ا۔ کوئی انسان عدالت میں غلط شہادت صرف تین وجوہ کی بناء پر دے سکتا ہے یعنی لالچ، خوف، یا دشمنی اور ان تینوں اُمور کو واضح طور پر قرآن نے

(النساء : ۱۳۵) اور (المائدۃ : ۸) میں بیان کردیا ہے کہ یہ چیزیں تم کو صحیح اور سچی شہادت دینے سے نہ روکیں۔

۲۔ دوسری اہم بات جو سامنے آتی ہے وہ ان احکامات کی عمومی نوعیت ہے کہ یہ سارے مسلمانوں کے لیے یکساں ہے۔

۳۔ تیسری بات جو اہم ہے وہ یہ کہ کوئی شخص عملاً کس طریقہ سے ادائیگی سچ میں کمی کرسکتا ہے؟

اولاً: تو یہ بات کہ وہ شہادت کو سرے سے چھپا ہی دیا جائے اور یہ کہہ دے کہ اس کو اس معاملہ کا علم نہیں یا وہ کوئی شہادت بھی نہ دے۔

ثانیاً: یہ کرے کہ عدالت میں یا منصف کے پاس مدعی علیہ کے بلانے کے باوجود نہ جائے اور چپکا بیٹھا رہے یعنی ادائے شہادت سے انکار کردے۔

قرآن کریم نے سورۃ البقرۃ آیات (۲۸۲-۲۸۳) میں ان دونوں افعال سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾[۵۲]

ترجمہ: اور شہادت کا اخفاء مت کرو اور جو شخص اس کا اخفا کرے گا

۵۲۔ البقرۃ: ۲۸۳

اس کا قلب گنہگار ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں۔

﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا﴾ (۵۳)

ترجمہ: اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب وہ گواہ بننے کے لیے بلائے جائیں۔

نیز اصل بات جو سامنے آئی ہے وہ یہ کہ اس صورت میں بھی قرآنی اسلوب عمومی ہے۔ خصوصی اس لحاظ سے نہیں ہے کہ عورت اور مرد کی بنیاد پر کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے کہ دونوں میں سے کسی کو بھی کوئی رعایت دے دی جاتی یا کسی پر زیادہ سختی کر دی جاتی۔

ان دونوں آیتوں سے عورت کے لیے عدالتی شہادت سے فرار کی راہ نکل سکتی تھی کیونکہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اکیلی عورت عدالت میں گواہی نہیں دے سکتی تو اس کا مفہوم مخالف یہ ہو گا کہ اگر کسی بات کا وہ علم بھی رکھتی ہو اور وہ معاملہ قاضی کے پاس بھی پہنچ جائے تب بھی وہ بلائے جانے پر عدالت میں نہیں جائے گی اور آیت ﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا﴾ کی عملی نافرمانی کی صورت نکل سکتی تھی۔

۵۳۔ البقرۃ: ۲۸۲

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ کسی مسئلہ پر بھی ایک عورت گواہی نہیں دے سکتی کیونکہ وہ ضعیف العقل ہے اور دوسری عورت اس کو شہادت یاد کراتی رہے گی۔ اس کا بھی مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ ہم عورت سے کتمان شہادت کی توقع بہت آرام سے کرسکتے ہیں اور وہ ضعیف العقل من حیث الجنس ہی ہے تو اس امر کو کون یقینی بنا سکتا ہے کہ جو اہمیت کی بات پہلی عورت بھولی ہے وہ دوسری نہیں بھولے گی۔ اور جب دونوں کی دونوں ہی ضعیف العقل ہیں تو کیا جواز ہے کہ وہ مل شہادت صحیح اور مکمل دے سکیں گیں۔ اگر یہی معاملہ ہے تو قرین قیاس تو یہ بات ہونی چاہئے کہ ایک "ضعیف العقل" شخص کو ایک "صحیح العقل" شخص یاد کرائے کیونکہ کسی بھی کمزور چیز کو دوسری کمزور چیز سہارا نہیں دے سکتی۔ لہٰذا یہی حکمت اللہ کی ان آیات میں پوشیدہ ہے کہ یہ دونوں احکام بھی عمومی زبان میں دیئے ہیں۔ یعنی انکار ادائے شہادت اور کتمانِ شہادت سے مجموعی طور پر مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے۔ عورت اور مرد کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی دونوں اس مسئلہ میں مساوی ہیں۔

۴۔ چوتھی بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ادائے شہادت کے حوالے سے کوئی بھی گواہ اللہ کے نزدیک انعام کا حقدار کسی طور پر ہوسکتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اس فریضہ کی ادائیگی کس طریقہ سے ہوسکتی ہے کہ اللہ اس کی ادائیگی پر

خوش ہوکر اپنے بندوں پر انعام نازل فرمائے یا انہیں جنت کا حقدار ٹھرائے۔

- اول تو یہ کہ کوئی بھی شخص جھوٹی گواہی نہ دے۔
- دوسرا یہ کہ جب کوئی شخص یہ فریضہ ادا کرے تو پھر اس پر قائم رہے اور اس سے روگردانی نہ کرے۔

یہی دو باتیں ہیں کہ جو سورۃ (الفرقان: ۷۲) اور (المعارج: ۳۳) میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا﴾[۵۴]

ترجمہ: اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر (اتفاقاً) بیہودہ مشغلوں کے پاس سے ہوکر گذریں تو سنجیدگی کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔

﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ﴾[۵۵]

ترجمہ: اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں پر مضبوطی سے پر قائم رہتے ہیں۔

۵۴۔ الفرقان: ۷۲

۵۵۔ المعارج: ۳۳

ان آیات کے مطالعہ سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ رب العزت نے عورت اور مرد کے درمیان شہادت کے مسئلہ پر کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔

بحق شہادت قرآنِ کریم کا عمومی حکم اور ایک خصوصی حکم

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ ایسے الفاظ جن کا مادہ (ش ھ د) بنتا ہے۔ قرآن پاک میں ۱۲۶ مرتبہ آئے ہیں اور ان کے مختلف معنی بھی ہیں۔ لہٰذا وہ حکم کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مماثلت نہیں رکھتے۔ گو بعض مقامات پر صیغہ بھی ایک ہے اور ظاہر صورت لفظ بھی ایک ہے لیکن پھر بھی ان کے حکم شرعی میں فرق ہے۔

عدالتی شہادت دینے کا حکم (سورۃ النساء : ۱۳۵) میں آیا ہے :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾(۵۶)

ترجمہ : اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو وہ شخص اگر امیر ہے تو

۵۶۔ النساء : ۱۳۵

اور غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے سو
تم خواہش نفس کا اتباع مت کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤاور اگر تم
کج بیانی کروگے یا پہلو تہی کروگے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب
اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں جو امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے وہ وجوب کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی اگر کوئی مسلمان مرد وزن اپنی دنیاوی خواہشات کی بناپر، قرابت داری کی بنیاد پر، یا پھر کسی اور دنیاوی نقصان کے پیش نظر شہادت دیتے وقت عدل کا دامن ہاتھ سے چھوڑدے گا تو وہ کفر کرے گا۔ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کرے گااور موجبِ عذاب ہوگا۔ لہٰذااس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ :

۱۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں سے مساوی طور پر اس آیتِ کریمہ میں مخاطب ہے۔

۲۔ اس آیت میں کوئی استثنائی صورت بیان نہیں کی گئی۔

۳۔ مردوں اور عورتوں کے لئے کوئی الگ الگ پیمانہ نہیں رکھا گیا۔ظاہر ہے کہ دونوں برابر ہیں، تب ہی تو دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔اگر عورت سے اس کی تخلیق کی بناء پر یہ گمان کرلیاجائے کہ وہ ضعیف العقل ہے تو پھر دونوں یعنی مرد اور عورت کے لیے یہ قرآنی عمومی حکم کیا معنی رکھتا ہے۔ظاہر ہے اگر عورت ناقص العقل اور وہ بھول جاتی ہے تو پھر اس

سے شہادت دیتے وقت عدل کی بالکل اس طور توقع رکھنا، جس طور پر مرد سے رکھی جارہی ہے، قرینِ انصاف نہیں ہے۔

۴۔ اس آیت میں امر کا صیغہ وجوب الفعل کی قوت رکھتا ہے کہ عدل اور ایمان داری کے ساتھ شہادت دینا تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔

دوسرا عمومی حکم جو کہ ادائے شہادت کو وجوب کا درجہ دیتا ہے وہ سورۃ المائدۃ کی آیت (۸) میں بیان فرمایا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ﴾ (۵۷)

ترجمہ: " اے ایمان والو! خدا کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔"

متذکرہ بالا آیت کی طرح یہ آیت بھی تمام مسلمانوں کے لیے عمومی حکم برائے شہادت رکھتی ہے اور بغور مطالعہ سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

ا۔ تمام مسلمانوں پر عدل کے ساتھ ادائے شہادت واجب ہے۔

۲۔ دونوں آیات کو اگر ملا کر پڑھا جائے تو معلوم ہو گا کہ تمام ممکنہ کیفیات جو کہ کسی شہادت کو عدل کے پیمانے سے ہٹا سکتی ہیں، وہ بیان کردی گئی ہیں۔

۵۷۔ المائدۃ: ۸

۳۔ "ضعیف العقلی"، جو کہ عدل کی راہ میں اہم رکاوٹ نیز ادائے شہادت میں رخنہ ہے، یہاں بیان نہیں فرمائی گئی۔

۴۔ظاہر ہے کہ قرآن کا مزاج ایسا نہیں کہ دو مختلف قسم کے لوگوں پر ایک جیسا حکم لگادے۔

۵۔ اگر عورت کو ضعیف العقل اور مرد کو قوی العقل مان لیا جائے تو اس لحاظ سے ان دونوں پر ایک مطلق حکم لاگو نہیں ہو سکتا کیونکہ دونوں کی ذہنی صلاحیتوں میں تفاوت ہے اور جب برابری نہیں تو دونوں سے ایک جیسے عدل کی توقع بے سود اور لایعنی ہے۔

اس طرح اس بحث کے یا تو یہ معنی نکلیں گے کہ ان دونوں آیتوں میں عورت کو شمار نہیں کیا گیا۔ یعنی ادائے شہادت عورت پر اس طرح واجب نہیں جیسا کہ مرد پر واجب ہے بلکہ عورت پر تو واجب ہی نہیں اور یہ صرف اور صرف مرد کا ہی مسئلہ ہے یا یہ کہ ان عمومی احکامات قرآنیہ میں عورت اور مرد دونوں شامل ہیں اور دونوں میں کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ جب یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ یہ حکم دونوں کے لیے ہے تو پھر ایک نہایت دقیق اور اہم نکتہ سامنے آتا ہے کہ اگر کوئی اور حکم بظاہر اس سے مختلف ہے تو وہ عمومی نہیں استثنائی ہو سکتا ہے۔

ان دونوں آیات کے علاوہ جن آیات میں کتمانِ شہادت اور ادائے شہادت سے اعراض کی وعید آتی ہے، ان آیات سے بھی یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ وہ احکام صرف اور صرف مردوں کے لیے ہیں عورتوں کے لیے نہیں ہیں۔

جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت (۲۸۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ ادائے شہادت فرض ہے اور خصوصاً جب شہادت کو عدالت میں طلب کرلیا جائے۔ اب یہ حکم عمومی (General) ہے۔ لہٰذا اس میں عورت اور مرد سب ہی شامل ہیں۔اگر ہم دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے مساوی سمجھیں اور یہ کلیہ بنالیں کہ ایک عورت اکیلی شہادت نہیں دے سکتی تو اس آیت کا مطلب و مقصد ہماری نظر میں پورا نہیں ہوتا اور عدل وانصاف کی اصل روح فوت ہو جاتی ہے جو کہ ظاہر ہے کہ یہ بات اسلام کبھی بھی گوارہ نہیں کرتا۔

یعنی پھر اس صورت میں بات کچھ یوں بنے گی کہ اگر کسی ایک واقعہ کی طرف صرف ایک اکیلی عورت ہی گواہ ہے اور مدعی یا مدعی علیہ اس کو عدالت میں طلب بھی کرنا چاہتا ہے کہ اس کا مؤقف درست ثابت ہوسکے اور وہ اپنے مؤقف میں سچا بھی ہے تب بھی وہ عورت عدالت میں قاضی کے سامنے گواہی نہیں دے سکتی اور قرآن کی آیت ﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا﴾[۵۸] اپنی جگہ برقرار ہوتے ہوئے بھی بے سود (non-functional) رہے گی اور ایک شخص محض اس وجہ سے انصاف سے محروم رہے گا کہ ادائے شہادت کا طریقہ کار (procedure) اس کی حمایت نہیں کرتا۔ جبکہ اس آیت سے بھی ہمیں عمومی حکم ہی ملتا ہے۔اس سے گواہوں کی تعداد یا ان کی جنس کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔

۵۸۔البقرۃ: ۲۸۲

﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ﴾ (۵۹)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو اپنی اپنی گواہیوں پر مضبوطی سے پر قائم رہتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات سے ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ جو لوگ جھوٹی شہادت نہیں دیتے اور وہ لوگ جو اپنی شہادت پر قائم رہتے ہیں اور اس سے پھرتے نہیں، وہ جنتی ہیں اور ان کے لیے انعام واکرام ہیں۔ اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی واقعہ کی صرف ایک ہی عاقل بالغ مسلمان عورت گواہ ہے اور کوئی دوسرا نہیں تو کیا یہ گواہی دے گی ؟۔۔۔ اور کیا اس پر قائم رہے گی؟۔۔۔ اور کیا جنت کی حقدار ہو گی۔

اس ضمن میں کہ اس بے چاری اکیلی عورت کی تو شہادت قابل قبول ہی نہیں ہے یہ بات بادیٔ النظر ہی میں ناانصافی معلوم ہوتی ہے اور اسلام ایسا کوئی حکم جو ناانصافی پر مبنی ہو، صادر نہیں کرتا۔

قرآن کریم میں شہادت کا عمومی حکم اور شہادت کو چھپانے والے کے لیے عمومی وعید:

جیسا کہ دیکھا جاچکا ہے کہ قرآن کریم نے دو آیات (النساء: ۱۳۵ اور المائدۃ: ۸) میں مسلمانوں کو شہادت دینے کا حکم دیا ہے۔

۵۹۔ المعارج: ۳۳

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾(۶۰)

ترجمہ: اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو وہ شخص اگر امیر ہے تو اور غریب ہے تو دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے سو تم خواہش نفس کا اتباع مت کرنا کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ اور اگر تم کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ﴾(۶۱)

ترجمہ: " اے ایمان والو! خدا کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔"

۶۰۔النساء:۱۳۵

۶۱۔المائدۃ:۸

دونوں آیات کا اطلاق بغیر کسی قسم کے امتیاز کے تمام مسلمانوں پر ہوتا ہے۔ کیونکہ دونوں آیتوں کی ابتداء ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کے الفاظ سے ہوتی ہے۔اسی طرح شہادت نہ دینے والے لوگوں کی وعید بھی قرآن کریم میں عمومی الفاظ میں آئی ہے۔ اور ان آیات کے مطالعہ سے کبھی یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ اس وعید سے کوئی قوم، جنس یا نسل خارج از حکم ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں قرآن نے کتمانِ شہادت کو منع فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (۶۲)

ترجمہ: اور شہادت کا اخفاء مت کرو اور جو شخص اس کا اخفا کرے گا اس کا قلب گنہگار ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ تمھارے کیے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں۔

نیز فرمایا:

﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا﴾ (۶۳)

ترجمہ: اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب وہ گواہ بننے کے لیے بلائے جائیں۔

۶۲۔البقرۃ: ۲۸۳

۶۳۔البقرۃ: ۲۸۲

ان دونوں آیات سے بھی اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ یہ وعید عمومی ہے۔ یعنی چاہے شہادت کو چھپانے والا مرد ہو یا عورت دونوں کو اس قبیح فعل سے منع کیا گیا ہے۔ یہاں کہیں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ مردوں کو عورتوں سے زیادہ عذاب ہوگا یا وہ زیادہ گناہ گار ٹھہرائے جائیں گے یا یوں کہ عورتوں کو مردوں کی نسبت کچھ کم عذاب ہے اور کم گناہ ہے۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں آیات میں بھی اللہ تعالیٰ جنس کی بنیاد پر تخصیص نہیں کر رہے تو اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح شہادت دینے کا حکم عورت اور مرد پر یکساں ہے اسی طرح اگر کوئی مرد وزن شہادت چھپاتے ہیں تو بالکل برابر کے عذاب کے مستحق ہیں۔

اگر عمومی معنوں میں عورت اور مرد کی ذمہ داری مساوی نہ ہوتی تو لازماً ان کے لیے وعید بھی خفی ہوتی بہ نسبت مردوں کے، جیسا کہ ایک مثال پہلے دی جاچکی ہے کہ جب اللہ نے عورتوں کی ذمہ داری ادائیگی صلوٰۃ میں مردوں سے کم کردی ہے تو ان سے ان ایام میں قضاء نماز کی بازپرس نہیں ہوگی جبکہ مردوں کو اس قسم کی کوئی مراعت نہیں دی گئی لہٰذا ان کے پاس قضاء کا کوئی جواز یا حیلہ موجود نہیں ہے۔

﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (۶۴)

۶۴۔ البقرۃ: ۲۸۳

ترجمہ: اور شہادت کا اخفاء مت کرو اور جو شخص اس کا اخفا کرے گا اس کا قلب گنہگار ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ تمھارے کیے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں۔

اور:

﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا﴾ (۶۵)

ترجمہ: اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب وہ گواہ بننے کے لیے بلائے جائیں۔

کے الفاظ سے یہ بات ظاہر ہے کہ حکم کا اطلاق کل پر ہے۔ یعنی کوئی عورت یہ بہانہ بنا کر اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتی کہ اکیلی عورت کی گواہی تو قابل قبول ہی نہیں ہے اور کیونکہ وہ کسی واقعہ کی اکلوتی گواہ ہے لہٰذا وہ شہادت کو چھپائے یا قاضی یا مدعی کے بلانے پر بھی کسی دعویٰ کے اثبات میں گواہی دینے نہ جائے، اگر یوں کرے گی تو وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرے گی۔

شہادت پر قائم رہنے والوں
اور جھوٹی گواہی نہ دینے والوں پر اللہ کا انعام

قرآن کریم میں دو آیات کریمہ ایسی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے شہادت دینے والے لوگوں پر اپنے انعام کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

۶۵۔ البقرۃ: ۲۸۲

﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ (۳۳) وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ (۳۴) أُولَئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُكْرَمُونَ﴾ (۶۶)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو اپنی اپنی گواہیوں پر مضبوطی سے پر قائم رہتے ہیں (اس سے پھرتے نہیں) اور جو اپنی (فرض) نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ وہ لوگ جنتی ہیں ان کا ٹھکانا جنت ہے۔

اس آیت سے کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ شہادت پر قائم رہنے والا اگر مرد ہے تو اس پر ایک انعام مقرر کیا گیا ہے اور اگر عورت ہے تو اس کے لیے کوئی کمتر انعام رکھا گیا ہے۔ یہی صورتحال جھوٹی گواہی نہ دینے والے کی ہے چاہے وہ عورت ہے یا مرد ہے، ہر صورتِ حال میں دونوں کا صلہ برابر کا ہے۔

عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے مساوی ہونے کی ایک اور قرآنی دلیل

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ (۶) وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ (۶۷)

۶۶۔ المعارج: ۳۳-۳۵

۶۷۔ النور: ۶،۷

ترجمہ: لیکن جو لوگ اس (تہمت لگانے) کے بعد (خدا کے سامنے) توبہ کرلیں اور (اپنی حالت کی) اصلاح کرلیں سو (اس حالت میں) اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا ہے۔ اور جو لوگ اپنی (منکوحہ) بیبیوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (ہی دعوے کے) اور کوئی گواہ نہ ہوں (جن کا عدد میں چار ہونا چاہیے) تو ان کی شہادت (جو کہ دافع حبس یا حد قذف ہو) یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بے شک میں سچا ہوں۔

ان دو آیات میں قرآن کریم نے ایک نہایت ہی اہم قانونی نکتہ بیان فرمایا ہے جو کہ اس سے ما قبل (آیت: ۴) سے متصل ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے زنا کے جرم کو ثابت کرنے کے لیے چار گواہان کی تعداد معین کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[٦٨]

ترجمہ: اور جو لوگ (زنا) کی تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لا سکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی درّے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی قبول مت کرو (یہ تو دنیا میں ان کی

٦٨۔النور: ۴

سزا ہوئی) اور یہ لوگ (آخرت میں بھی مستحق سزا ہیں اس وجہ سے
ہے کہ) فاسق ہیں۔

اب ہم متذکرہ بالا آیت پر غور کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے طریقہ "لعان" بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسلمان شخص اپنی منکوحہ پر زنا کا الزام لگاتا ہے اور اس کے بعد وہ اپنے علاوہ چار گواہ نہیں لا پاتا تو اس کو اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے چار مرتبہ اللہ کی قسم کھانا پڑے گی اور پانچویں بار کہنا ہوگا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو اللہ کی مجھ پر لعنت ہو۔ یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اللہ کے نام کی ایک قسم کو گواہی کے مساوی قرار دیا ہے یعنی جہاں چار گواہان کی ضرورت تھی اس معاملہ میں چار مرتبہ قسم کھانے کو کہا گیا ہے۔ اس سے اگلی آیت میں عورتوں کے مسئلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر ان کو کسی ایسی صورتِ حال کا سامنا ہو تو وہ کیا کریں گی جبکہ وہ بالکل بے گناہ ہوں تو ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے ان کے لیے بھی سو فیصد برابر کا حق مقرر کیا ہے کہ وہ بھی اپنی پاکدامنی ثابت کرنے اور الزام کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے چار مرتبہ اللہ کے نام کی یہ قسم کھائیں کہ جو شخص ان پر الزام لگا رہا ہے وہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ ان کو یہ چاہیئے کہ وہ کہیں کہ اگر وہ جھوٹی ہوں تو خدا کا عذاب ان پر نازل ہو۔ اس تمام عمل کو ہم فقہ کی اصطلاح میں "لعان" کہتے ہیں۔ نیز ہم دیکھتے ہیں کہ "لعان" میں مرد اور عورت دونوں کی حیثیت بالکل برابر رکھی گئی ہے۔

ان قرآنی آیات سے ہمیں دو باتیں اخذ کر لینی چاہیئں:

۱۔ یہ کہ لعان کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے قسم کو اس کی گواہی کے مساوی قرار دیا ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں مرد وزن کی "گواہی" یعنی قسم میں کوئی تخصیص یا امتیاز نہیں برتا۔ یعنی جو پیمانہ مرد کی گواہی کا ہے وہ ہی عورت کی گواہی کا بھی ہے۔ اگر ہم اس منطق کو درست تسلیم کرلیں کہ زنا کے معاملے کو ثابت کرنے کے لیئے آٹھ عورتوں کی گواہی قابل قبول "کیونکہ اصل میں چار مرد گواہ درکار ہوتے ہیں"، تو لازماً یہاں پر بھی چاہئے یہ تھا کہ مرد چار مرتبہ قسم اٹھائیں اور عورتیں آٹھ مرتبہ قسم اٹھائیں لیکن معاملہ ایسا نہیں۔

یوں یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے گواہوں کی تعداد کو کم یازیادہ جنس کی بنیاد پر نہیں کیا ہے بلکہ صرف بعض معاملات میں تعداد گواہان پر زور دیا گیا ہے۔ لیکن کسی مسئلہ میں بھی عدالتی گواہی کے معاملہ پر عورت یامرد کی بنیاد پر تفریق نہیں کی گئی ہے۔ وہ دونوں بالکل مساوی حیثیت کے حامل ہیں۔

دیوانی نوعیت کے معاملات میں بھی قرآن کریم نے عورت اور مرد کی گواہی میں کوئی تخصیص نہیں کی

قرآن کریم ہمیں اہم معاملات کی انجام دہی کے وقت گواہوں کی موجودگی کا حکم دیتا ہے اور اس معاملہ میں اس کا ایک خاص حکیمانہ اندازِ بیان سامنے آتا ہے۔ یتیموں کے مال سے متعلق اللہ تعالیٰ نے بہت واضح اور خاص احکام نازل فرمائے ہیں

کہ ان کا مال باطل طریقوں سے کھانے والا اپنے پیٹ میں آگ بھر رہا ہے۔ایک آیت کریمہ میں تفصیلاً حکم ہوا ہے کہ کم سن یتیم بچوں اور ان کے مال کی ان کی بلوغت کے وقت تک کیسے دیکھ بھال کی جائے؟ اور بالغ ہونے پر ان کو ان کا مال کیسے حوالہ کیا جائے؟ تو اس لین دین (Transaction) کے گواہ ہونے چاہئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا﴾ (۶۹)

ترجمہ: پھر جب ان کے اموال ان کے حوالے کرنے لگو تو ان پر گواہ بھی کر لیا کرو اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والے کافی ہیں۔

یہ آیت بھی ہم کو گواہ کے متعلق عمومی معلومات فراہم کرتی ہے۔ یعنی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء کسی بھی جنس کے گواہ سے ہے۔ظاہر ہے کہ اگر گواہ ہونے کے معاملے میں جنس کی اہمیت ہوتی تو اس نازک مرحلہ پر ضرور بیان فرمایا جاتا کہ اگر گواہ مرد ہو تو ان کا یہ نصاب ہوگا اور اگر گواہ عورتیں ہوں گی تو ان کا یہ۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ لہٰذا یہ معلوم ہوا کہ دیگر احکام کی طرح یہاں پر بھی گواہ ہونے کے معاملے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مرد وعورت کو مساوی قرار دیا ہے۔ظاہر ہے کہ اگر عورت کمزور اور ناقص العقل بیان کی جاتی تو وہ کسی طور

۶۹۔النساء:۶

پر بھی اس مقام پر لین دین (Transaction) کی گواہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس معاملہ میں تو صرف اور صرف مال ہی شامل ہے کہ وہی ولی نے اپنے پاس رکھا ہے اور یتیموں کی تربیت کی اور ان کی بلوغت پر ان کا وہی مال ان کے حوالے کیا۔ اب معاملہ کی نوعیت مالی اور معاشرتی دونوں لحاظ سے نازک اور باریک ہے۔ نیز حکم باری تعالیٰ نے اس کو مزید اہم بلکہ فریضہ بنادیا ہے کہ اس میں کمی وزیادتی کا مرتکب سخت سزا کا حقدار ہے۔ ان تمام پہلوؤں اور باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے معاملہ کی گواہ کی عورت اور مرد کی بنیاد پر کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔ یہ دونوں مساوی ہیں۔
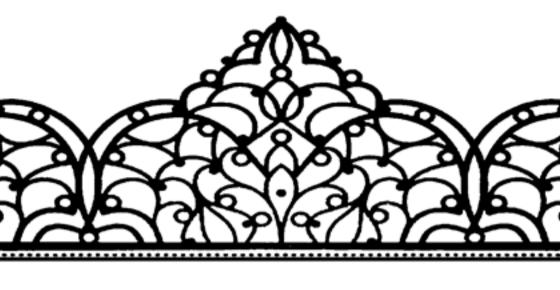
باب پنجم

عورت کی گواھی کے متعلق

علماء کی آراء

باب پنجم

عورت کی گواہی کے متعلق علماء کی آراء

عورت کی گواہی کا مسئلہ روزِ اول ہی سے مختلف فیہ ہے۔ یعنی اصلا یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے متعلق علماء میں کافی اختلاف رائے رہا ہے۔ علماء کے اس اختلاف کی بنیادی وجہ تو یہ ہے کہ عورت کی گواہی سے متعلق قرآن کریم میں کوئی واضح حکم نہیں ہے۔ بلکہ قرآن میں جہاں جہاں بھی شہادت سے متعلق احکامات بیان ہوئے ہیں ان تمام کے مطالعہ کے بعد کئی ایک سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں جن کا جواب علماء نے اپنے اپنے مسلک اور اپنے اپنے وقت، حالات وواقعات کے پیش نظر دیا ہے۔ علماء کی آراء کا اختلاف ہی ہم کو یہ بات بتاتا ہے کہ عورت کی گواہی کا مسئلہ ہر زمانہ اور ہر مسلک کے لوگوں میں جدا طور پر سمجھا اور سمجھایا جاتا رہا ہے۔ بالفاظِ دیگر قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ کے دیئے ہوئے اصول کی روشنی میں اس مسئلہ کو سمجھنا اور سمجھانا ہی درست ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ اور کبار محدثین رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کرام رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں اختلاف کیوں فرماتے؟ ذیل میں ہم ان آراء کا تذکرہ کرتے ہیں جو کہ علماء اس مسئلہ سے متعلق بیان کرتے رہے ہیں:

علماء کرام کا پہلا گروہ اور اس کی رائے

علماء کرام رحمۃ اللہ علیہ کا ایک طبقہ یہ رائے رکھتا ہے کہ عورت کی شہادت تمام مسائل میں قابلِ قبول ہے۔ لیکن جہاں ایک مرد گواہ ہوگا وہاں دو عورتوں کی گواہی

قابلِ قبول سمجھی جائے گی۔ یعنی جس معاملہ میں دو مرد گواہوں کا نصاب شہادت مقرر ہے وہاں ایک مرد اور دو عورتیں یا چار عورتیں شہادت دے سکتی ہیں اور ان کی شہادت پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس گروہ کے نزدیک اکیلی عورت کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ اس مسلک کی تائید عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں۔[۷۰] ان کی رائے ہے کہ اگر آٹھ خواتین کسی کے زانی ہونے کی شہادت دیں تو اس کو رجم کردیں گے۔ علامہ ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ بھی دو عورتوں کو ایک مرد کی حیثیت دینے کے بعد ہر حال اور ہر قسم کے حقوق و معاملات میں خواتین کی شہادت کو معتبر سمجھتے ہیں۔[۷۱] قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی رائے کے حامی ہیں۔[۷۲] اور وہ معاملات میں یہی مسلک مد نظر رکھ کر فیصلہ کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک گھر کے ساز وسامان کے متعلق ان کے پاس مقدمہ پیش ہوا۔ فریقین میاں بیوی تھے۔ شوہر کا دعویٰ تھا کہ مال اس کا ہے لیکن چار عورتوں نے گواہی دی کہ یہ بیوی کا مال ہے۔ بیوی نے اپنے مہر کی رقم شوہر کے حوالہ کی تو اس نے یہ مال خریدا اور اس کے عوض یہ مال واسباب

۷۰۔ مصنف عبد الرزاق الصنعانی (ج ۸/ص ۳۳۱) و مصنف عبد الرزاق الصنعانی (ج ۷/ص ۳۳۲)

مصنف عبد الرزاق الصنعانی (ج ۸/ص ۳۳۱) : ۱۵۴۱۴ - عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ قَالَ: «تَجُوزُ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ فِي كُلِّ شَيْءٍ، وَتَجُوزُ عَلَى الزِّنَى امْرَأَتَانِ مَعَ ثَلَاثِ رِجَالٍ، رَأْيًا مِنْهُ»

مصنف عبد الرزاق الصنعانی (ج ۷/ص ۳۳۲) : ۱۳۳۷۱ - عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: قُلْتُ لِعَطَاءٍ: لَوْ شَهِدَتْ سِتُّ نِسْوَةٍ عَلَى زِنًا مَعَ رَجُلٍ قَالَ: «لَا، إِلَّا ثَلَاثَةُ رِجَالٍ وَامْرَأَتَانِ»

۷۱۔ المحلی بالآثار، ابو محمد علی بن (ابن حزم) الأندلسی القرطبی الظاہری (المتوفی: ۴۵۶ھ) دار الفکر - بیروت (ج ۸/ص ۴۷۶)

۷۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۴/ص ۵۱۵)، ۲۲۶۸۴ - حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ جَابِرٍ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ شُرَيْحٍ: «أَنَّهُ كَانَ يُجِيزُ شَهَادَةَ النِّسَاءِ فِي الْحُقُوقِ»

اس عورت کو دیا تھا۔ قاضی شریح نے عورتوں کے اس متفقہ بیان کے مطابق شوہر کے خلاف فیصلہ کیا۔

جو علماء اس رائے کے حامل ہیں وہ سورۃ البقرۃ کی آیت (۲۸۲) ﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ﴾ (۷۳) کو اُصول بنا کر پیش کرتے ہیں۔

علماء کرام کے دوسرے گروہ کی رائے

اسی طرح علماء رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور گروہ عورت کی شہادت سے متعلق اس مسلک کا حامل ہے کہ عورت کی گواہی قابل قبول تو ہے، لیکن جب تک عورت کے ساتھ مرد بھی شریک نہ ہو جائے وہ گواہی قابلِ اعتماد نہ ہو گی۔ یعنی یہ علماء محض عورت کی گواہی پر فیصلہ کے قائل ہی نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک ہر مسئلہ میں مرد کا شہادت میں شامل ہونا بہر صورت ضروری ہے۔ لیکن اس نکتہ نظر کے حامل علماء میں بھی ذیلی اختلاف ہے کہ کن معاملات میں مشترکہ شہادت قبول کی جائے اور کس میں نہیں؟

۱. مکحول رحمۃ اللہ علیہ جو کہ تابعی ہیں کہتے ہیں کہ صرف قرض کے سلسلہ میں عورتوں کی گواہی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ (۷۴)

۲. ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ عورتوں کی شہادت نکاح، طلاق، حدود اور غلاموں کی آزادی کے متعلق تو قابل اعتماد نہیں البتہ ایسے حقوق اور

۷۳۔ البقرۃ: ۲۸۲

۷۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۴/ ص ۵۱۵) : ۲۲۶۸۵- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ بُرْدٍ، عَنْ مَكْحُولٍ، قَالَ: «لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ النِّسَاءِ إِلَّا فِي الدَّيْنِ»

معاملات جو باہمی رضامندی سے طے پاتے ہیں ان میں عورتوں کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔[۷۵]

۳. امام مالک رحمۃ اللہ علیہ[۷۶] اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ[۷۷] کے نزدیک صرف مالی معاملات میں مردوں کے ساتھ عورتوں کے بیان پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے لیکن مالی مسائل کے تعین میں ان دونوں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

۴. تمام فقہاء احناف حدود وقصاص کے علاوہ ہر قسم کے مسائل میں عورتوں اور مردوں کے مشترکہ بیان کو فیصلہ کی بنیاد تسلیم کرتے ہیں۔[۷۸]

۵. امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق قصاص میں بھی عورتوں کی مشترکہ گواہی قابل قبول ہے۔[۷۹]

۶. طاؤس فرماتے ہیں کہ صرف زنا کے علاوہ بقیہ تمام معاملات میں عورتوں کی شہادت تسلیم کی جائے گی۔ ان کے خیال میں زنا کے معاملہ میں عورت کی شہادت اس لیے قبول نہیں ہے کہ اس حالت کا بغور دیکھنا عورتوں کے لیے جائز نہیں۔[۸۰]

۷۵۔ المغنی لابن قدامۃ (ج۱۰/ص۱۳۰)

۷۶۔ المدونۃ ج (۴/ص ۲۴-۲۵)، الکافی فی فقہ اہل المدینۃ (ج ۲/ ص۹۰۶)

۷۷۔ الأم للشافعی (ج۵/ص ۳۱۵) : وَامْرَأَتَانِ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ النِّسَاءِ فِي غَيْرِ الْأَمْوَالِ وَمَا لَا يَرَاهُ الرِّجَالُ

۷۸۔ تحفۃ الفقہاء، محمد بن احمد بن ابی احمد، ابو بکر علاء الدین السمرقندی (المتوفی: ۵۴۰ھ) الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت – لبنان الطبعۃ: الثانیہ، ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۴ء (ج۳/ص۱۴۰)

۷۹۔ المحلی بالآثار (ج۸/ص۴۸۰)

۸۰۔ مصنف عبد الرزاق الصنعانی (ج۷/ص ۳۳۲) : ۱۳۳۷۲

۷. عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں زنا اور دوسرے معاملات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی اگر زنا میں بھی تین مرد اور دو عورتیں گواہی دیں تو قابل قبول ہوگی۔ (۸۱)

مندرجہ بالا جتنی بھی آراء ہیں ان میں جو اُصول کار فرما ہے وہ یہ ہے کہ عورت کا حافظہ چونکہ قابل اعتماد نہیں ہوتا اس لیے محض اس کی شہادت پر کوئی فیصلہ درست نہیں۔

علماء کے ایک اور طبقہ کی رائے:

علماء کرام رحمۃ اللہ علیہ کے تقریبا تمام گروہوں کا اس امر پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ ایسے مسائل جو کہ عورتوں کے لیے مخصوص ہیں، ایسے معاملات جن تک صرف عورتوں ہی کی رسائی ممکن ہے وہاں ایک عورت کی گواہی بھی قابل قبول ہے اور اس پر فیصلہ دیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دایہ کے بیان پر ایک مقدمہ کا فیصلہ صادر فرما دیا تھا۔

علماء کے چوتھے طبقے کی رائے

علماء کرام رحمۃ اللہ علیہ کا ایک گروہ وہ ہے جو کہ قرض کے لین دین کے مسئلہ کے علاوہ ہر مسئلہ میں عورت کی گواہی کو مرد کی گواہی کے مساوی گردانتا ہے۔ ان علماء میں بھی دو آراء پائی جاتی ہیں:

۸۱۔ مصنف عبدالرزاق الصنعانی (۷/۳۳۲) : ۱۳۳۲۷

ایک گروہ کہتا ہے کہ لین دین کے معاملات میں ایک عورت گواہ نہیں ہوسکتی کیونکہ قرآن کریم کے نصاب کے مطابق ایک مرد اور دو عورتیں بطور گواہ درکار ہیں۔ اور یہاں عورت کی گواہی اصل نہیں بلکہ بدل ہے۔

دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ دو عورتیں ایک مرد کے ساتھ اس صورت میں گواہ ہوں گی جب کہ لین دین کی دستاویز پر ان کا نام ایک مرد کے ساتھ بطورِ گواہان حاشیہ درج ہو۔

مندرجہ بالا آراء کو سرسری طور پر دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ مسئلہ سراسر اجتہادی نوعیت کا ہے اور یہ کہ اس پر کبھی اجماع نہیں ہوا۔

حدود کے معاملات میں عورت کی گواہی کے قرآنی دلائل

وہ علماء کرام جو کہ اس نکتہ نظر کے حامی ہیں کہ حدود کے معاملات میں عورتوں کی گواہی سرے سے قابل قبول ہی نہیں ہے، وہ قرآن کریم کی آیت (النساء: ۱۵) کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ دلیل رکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں جمع مذکر مخاطب کا صیغہ آیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ حدود میں صرف مرد ہی گواہی کے مجاز ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾ (۸۲)

ترجمہ: اور جو کوئی یہ کار روائی کرے تمہاری عورتوں میں سے، تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے۔ پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھالیوے ان کو موت یا مقرر کر دے اللہ ان کے لیے راہ۔

اب اس آیت کا ترجمہ یوں ہی کیا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ ﴿أَرْبَعَةً مِّنكُمْ﴾ سے بالخصوص "تم میں سے چار مرد" ہی مطلوب ہے۔ عدد معدود اور تذکیر

۸۲۔ النساء: ۱۵

وتانیث کی اس بحث کو فاضل استاد جناب ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے نہایت صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ انھوں نے اپنے مضمون میں بجا طور پر یہ ثابت کردیا ہے کہ یہاں پر اس صیغہ سے قطعاً صرف مرد گواہ ہو نا ضروری نہیں ہے۔ یہ قرآن کریم کا عمومی اسلوب ہے۔ان کے دلائل بہت قوی اور منطقی ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ اس آیت مبارکہ کو ایک اور زاویہ سے دیکھا جاسکتا ہے کہ یہ آیت کون سا مضمون بیان کر رہی ہے اور ہم اس سے کیا استنباط کر رہے ہیں۔

اولا: علماء کا تو ہمیشہ اس آیت کی حیثیت اور نفسِ مضمون کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف رہا ہے۔ وہ علماء کرام جن میں خازن، جلالین اور احمدیؒ شامل ہیں وہ اس آیت کے لفظ ﴿الْفَاحِشَةَ﴾ (بدکاری) سے مراد زنا لیتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ عورت کو حبس کر دینے کا یہ حکم اور امر حدود کی نزول سے قبل تھا۔ لیکن حدود کے احکامات نازل ہونے کے ساتھ ہی یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔ ان کے نزدیک ﴿أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾ سے مراد یہ ہے کہ اللہ اس جرم کی شاید کوئی حد مقرر کر دے یا توبہ کی توفیق دے دے۔

یوں ایک بات معلوم ہوئی کہ اگر اس آیت میں زنا اور ان کے ثابت کرنے کا اور اس کی سزا کا ذکر ہورہا ہے تو یہ آیت (النور: ۲) کے نازل ہونے کے بعد منسوخ ہوگئی ہے۔ لہٰذا اگر ہم اس آیت کو منسوخ تسلیم کرلیں تو پھر اس آیت مبارکہ سے زنا کے معاملہ میں اور تمام حدود کے معاملات میں صرف اور صرف

مردوں کی گواہی قابل قبول ہونے کے مسئلہ کو اخذ کرنا اور وہ بھی محض عدد معدود کی بحث سے نہایت دور کی کوڑی لاکر ثابت کرنا قرینِ انصاف بات نہ ہوگی۔

ثانیا: دوسرا گروہ ان علماء کرام رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی رائے کی تائید کی جاتی ہے کہ یہ آیت اُن عورتوں کے بارے میں ہے جو عورتوں کے ساتھ بطریق مساحقت بدکاری کرتے ہیں (کنزالایمان)

بطور دلیل یہ گروہ اس سے متصل اگلی آیت بیان کرتا ہے، جو مندرجہ ذیل ہے:

﴿وَالَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا﴾[۸۳]

ترجمہ: اور جو دو مرد کریں تم میں سے بدکاری تو ان کو ایذاء دو۔

اس آیت کریمہ میں لفظ ﴿وَالَّذَانِ﴾ لواطت کرنے والوں کے حق میں ہے۔ اور زانی اور زانیہ کا حکم سورۃ النور میں بیان فرمایا گیا ہے اور اسی تقدیر پر علماء کا یہ گروہ اس آیت کو غیر منسوخ کہتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ ؒ کے لیے یہ بات دلیل ظاہر ہے اور انہوں نے اسی بناء پر لواطت کی سزا حد نہیں تعزیر بیان کی ہے۔

اب ہمارے سامنے اس آیت کی حیثیت سے متعلق مندرجہ ذیل دو امور واضح ہوتے ہیں:

ا۔ یا تو یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ آیت ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي

۸۳۔ النساء: ۱۶

فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾[۸۴] ہے۔

۲. اور یا پھر اگر اس کا حکم منسوخ نہیں ہے تو پھر اس آیت میں زنا کا نہیں بلکہ مساحقت کا فعلِ بد بیان ہوا ہے اور اسی سے متعلق ادائے شہادت کے اصول اور سزا بیان کی جارہی ہے جو کہ حدود میں شامل نہیں۔

اب متذکرہ بالا ہر دو صورتوں میں ہم اس آیت سے کسی طور پر بھی عورت کی شہادت کے مسئلہ کا استنباط عمومی انداز میں نہیں کرسکتے کہ اگر منسوخ ہے تو پھر اس کا حکم کسی حد کو بیان نہیں فرما رہا ہے۔ یعنی ایک ایسا جرم بیان ہو رہا ہے جو حد نہیں ہے لہٰذا اس کے حکم قبول شہادت کا اطلاق حدود پر کسی طور پر نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام میں گواہ کا کردار زیادہ اہم ہے یا کہ جنس؟

دینِ اسلام میں شہادت کے لیے اولین شرط اس کا کردار ہے۔ یعنی اس کا تقوی، اس کا عدل وغیرہ۔ تعداد شہادت اور جنس شہادت ثانوی باتیں ہیں۔ وہ لوگ جو کہ قرآن کریم کی آیت کریمہ:

﴿وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾[۸۵]

۸۴۔ النور: ۲

۸۵۔ النساء: ۱۵

ترجمہ :اور جو کوئی یہ کار روائی کرے تمہاری عورتوں میں سے، تو
گواہ لاؤان پر چار مرد اپنوں میں سے۔ پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو
بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھالیوے ان کو
موت یا مقرر کر دے اللہ ان کے لیے راہ۔

میں جمع مذکر مخاطب کی ضمیر سے مراد چار مرد گواہ لیتے ہیں۔ اس بارے میں ہمارے دلائل ماقبل گذر چکے ہیں۔ لیکن غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ چونکہ قرآن پاک میں کسی لفظ کا استعمال حکمت سے خالی نہیں تو لا محالہ اس صیغہ کے استعمال میں کوئی حکمت ایزدی پوشیدہ ہوگی۔ ہماری دانست میں جو بات آتی ہے وہ یہ ہے کہ جیساکہ بیان کیا جاچکا ہے کہ ہر وہ آیت جس میں شہادت دینے کا حکم نازل فرمایا گیا ہے وہ اپنے طرز بیان میں عمومی اسلوب رکھتی ہے۔ یعنی شہادت سے متعلق احکامات تمام مسلمانوں کے لیے بغیر کسی تخصیص کے بیان فرمائے گئے ہیں لہٰذا ﴿مِنْكُمْ﴾ سے مراد ''مؤمنین'' لینازیادہ مناسب ہوگا۔

''اے ایمان والو! تم اپنے میں سے یعنی اپنی جماعت میں سے چار گواہ لاؤ''

کیونکہ ایمان والوں کی صفات اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تفصیل سے مختلف مقامات پر بیان فرمائی ہیں۔یوں مراد یہی ہے کہ اپنے جیسے ایسے گواہ جو کہ قرآن کریم کی زبان میں اہل ایمان یا مؤمن کہلائیں گے جو تزکیہ شہود کے معیار پر پورا اترتے ہوں۔

یوں صیغہ ﴿مِنكُمْ﴾ سے مراد شاہد کی عدالت اوراس کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ یعنی جن لوگوں کے لیے قرآن ضابطہ حیات بین کر رہا ہے ان کو ہی ہدایت بھی دے رہا ہے کہ اپنے معاملات میں گواہ بھی اپنوں ہی میں سے لاؤ کوئی فاسق، فاجر، منافق یا کافر مشرک وغیرہ نہ لاؤ۔

اس رائے کو قرآن کی اس آیت سے بھی تقویت ملتی ہے جس میں بیان ہوتا ہے:

﴿إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾[۸۶]

ترجمہ: اگر کوئی فاسق تم تک کوئی خبر لائے تو اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو۔

اس آیتِ مبارکہ سے دوسرا اہم نکتہ جو واضح ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر کوئی فاسق عدالت میں آکر گواہی دے بھی دیتا ہے اور دوران جرح یا بیان قاضی یا عدالت کو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ گواہ فاسق ہے تو اس کی گواہی بے وقعت ہو جائے گی۔ یعنی فاسق کی گواہی قرآن کی رو سے قابلِ قبول نہیں ہے خصوصاً حدود کے معاملہ میں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جمع مذکر مخاطب کے صیغہ کے استعمال سے عدالت برائے شہادت مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے بجائے جنس شہادت مراد لینے کے،

۸۶۔الحجرات:۶

کیونکہ شہادت سے متعلق آیات کریمہ میں باری تعالیٰ کے مخاطب اہل ایمان ہیں جن میں مؤمنین اور مؤمنات دونوں شامل ہیں نہ کہ صرف اور صرف مرد۔
اسی دلیل کی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا ذي غمر على أخيه، ولا تجوز شهادة القانع لأهل البيت، والقانع الذي ينفق عليه أهل البيت﴾ رواه أحمد وأبو داود وقال: " شهادة الخائن والخائنة " إلى آخره، ولم يذكر تفسير القانع [۸۷].

ترجمہ: یعنی حضرت عمرو بن شعیبؓ نے اپنے باپ سے انھوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خائن مرد عورت کی گواہی نا جائز ہے نہ دشمن کی اپنے (مسلمان) بھائی کے خلاف گواہی جائز ہے اور نہ گھر والوں کے حق میں خادم (جو اس گھر میں کھاتا پیتا ہو) کی گواہی جائز ہے۔ قانع وہ ہے جس کے اخراجات گھر والے اٹھاتے ہوں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ میں بھی یہی روایت بیان ہوئی ہے لیکن اس میں قانع کی تفسیر بیان نہیں کی گئی۔

۸۷۔ مسند احمد مخرجا (ج ۱۱/ ص ۵۰۱) ۶۸۹۹

اس حدیث مبارکہ سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کا منشاء عدالت برائے شہادت ہے کیونکہ قانع یا interested witness کو بھی اس نے نا قابل قبول non-admissible قرار دیا ہے۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: «لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ، وَلَا زَانٍ وَلَا زَانِيَةٍ، وَلَا ذِي غِمْرٍ عَلَى أَخِيهِ» (۸۸)

ترجمہ: خائن مرد اور عورت کی شہادت جائز نہیں، نہ زانی مرد وعورت کی اور نہ دشمن کی اپنے (مسلمان) بھائی پر۔

ان دونوں احادیث کی عبارت پڑھ کر ایک اور لطیف نکتہ سامنے آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں مقامات پر عورت اور مرد کا الگ الگ ذکر کیا ہے یعنی عورت کی گواہی قابل قبول ہے تبھی تو زانیہ اور خائنہ کی گواہی کی ممانعت ہو رہی ہے۔ اگر عورت کی گواہی حدود میں قابل قبول ہی نہ ہوتی تو پھر اس عمومی انداز میں ذکر کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

۸۸۔ سنن ابی داود (ج۳/ص۳۰۶) ۳۶۰۱

عقل و دین کے نقصان سے کیا مراد ہے؟

ہمارے معاشرے میں عورت کی نصف شہادت ہونے کا تصور کسی آیت قرآنی پر مبنی نہیں اور نہ ہی سنت نبوی ﷺ سے عورت کی نصف شہادت کے متعلق عام نکتہ نظر کی تائید ہوتی ہے۔ اس رائے کی بنیاد مندرجہ ذیل تین احادیث پر ہے جو کہ ایک ہی واقعہ بیان کر رہی ہیں:

پہلی حدیث صحیح بخاری، دوسری حدیث مسند احمد اور تیسری حدیث سنن الدارمی میں ہے۔ تینوں روایتوں میں حضور ﷺ نے عورت کے دین و عقل میں نقص (کمی) کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ذیل میں ہم تینوں احادیث قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں:

پہلی حدیث:

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي زَيْدٌ هُوَ ابْنُ أَسْلَمَ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَضْحَى أَوْ فِطْرٍ إِلَى المُصَلَّى، فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ: «يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ» فَقُلْنَ: وَبِمَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ العَشِيرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ»، قُلْنَ: وَمَا نُقْصَانُ دِينِنَا وَعَقْلِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «أَلَيْسَ

شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ» قُلْنَ: بَلَى، قَالَ: «فَذَلِكِ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا، أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ» قُلْنَ: بَلَى، قَالَ: «فَذَلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا» (۸۹)

ترجمہ: ”امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حدیث بیان کی سعید ابن مریم نے انہوں نے فرمایا کہ مجھے خبر دی زید نے جو کہ ابن اسلم ہیں وہ ریاض بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ سعید الخدریؓ سے کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے موقع پر عید گاہ کی طرف نکلے، وہاں عورتوں کے پاس سے گذرے تو وہاں فرمایا: اے بی بیو! صدقہ دیا کرو کیونکہ بے شک میں نے جہنم میں زیادہ عورتوں کو ہی دیکھا ہے۔ تو عورتوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم لعن طعن بہت کرتی ہو، میں نے تمہارے جیسی کوئی اور مخلوق نہیں دیکھی جس پر عقل اور دینی معاملات کی ذمہ داری کم ہو اور اس کے باوجود وہ ایک اچھے خاصے عقل مند آدمی کی مت مار دے۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دینی و عقلی معاملہ میں ہماری ذمہ داری میں کیا کمی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا ایک عورت کی گواہی مرد کے معاملے میں آدھی نہیں ہے؟

۸۹۔ صحیح البخاری (ج ۱/ ص ۶۸)

انہوں نے کہا: ہاں! یہ تو ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی عقلی معاملات میں ذمہ داری کی کمی ہے اور کیا ایسا نہیں کہ جب اسے حیض ہوتا ہے تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزے رکھتی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: یہی دینی معاملات میں ذمہ داری کی کمی ہے۔"

دوسری حدیث:

مسند امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں یہ روایت اس طرح بھی آئی ہے:

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ، أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو يَعْنِي ابْنَ أَبِي عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، انْصَرَفَ مِنَ الصُّبْحِ يَوْمًا فَأَتَى النِّسَاءَ فِي الْمَسْجِدِ، فَوَقَفَ عَلَيْهِنَّ، فَقَالَ: " يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَوَاقِصِ عُقُولٍ وَدِينٍ أَذْهَبَ بِقُلُوبِ ذَوِي الْأَلْبَابِ مِنْكُنَّ، وَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ أَنَّكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَتَقَرَّبْنَ إِلَى اللهِ مَا اسْتَطَعْتُنَّ "، وَكَانَ فِي النِّسَاءِ امْرَأَةُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، فَأَتَتْ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، فَأَخْبَرَتْهُ بِمَا سَمِعَتْ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَخَذَتْ حُلِيًّا لَهَا، فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: أَيْنَ تَذْهَبِينَ بِهَذَا الْحُلِيِّ؟ فَقَالَتْ: أَتَقَرَّبُ بِهِ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ لَعَلَّ اللهَ أَنْ لَا يَجْعَلَنِي مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَقَالَ:

وَيْلَكِ، هَلُمَّ تَصَدَّقِي بِهِ عَلَيَّ وَعَلَى وَلَدِي، فَأَنَا لَهُ مَوْضِعٌ، فَقَالَتْ: لَا وَاللَّهِ، حَتَّى أَذْهَبَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَهَبَتْ تَسْتَأْذِنُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَذِهِ زَيْنَبُ تَسْتَأْذِنُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ: " أَيُّ الزَّيَانِبِ هِيَ؟ " فَقَالُوا: امْرَأَةُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، فَقَالَ: " ائْذَنُوا لَهَا "، فَدَخَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي سَمِعْتُ مِنْكَ مَقَالَةً، فَرَجَعْتُ إِلَى ابْنِ مَسْعُودٍ فَحَدَّثْتُهُ، وَأَخَذْتُ حُلِيًّا أَتَقَرَّبُ بِهِ إِلَى اللَّهِ وَإِلَيْكَ، رَجَاءَ أَنْ لَا يَجْعَلَنِي اللَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَقَالَ لِي ابْنُ مَسْعُودٍ: تَصَدَّقِي بِهِ عَلَيَّ وَعَلَى وَلَدِي فَإِنَّا لَهُ مَوْضِعٌ، فَقُلْتُ: حَتَّى أَسْتَأْذِنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " تَصَدَّقِي بِهِ عَلَيْهِ، وَعَلَى بَنِيهِ فَإِنَّهُمْ لَهُ مَوْضِعٌ "

ثُمَّ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ مَا سَمِعْتُ مِنْكَ حِينَ وَقَفْتَ عَلَيْنَا: " مَا رَأَيْتُ مِنْ نَوَاقِصِ عُقُولٍ قَطُّ وَلَا دِينٍ أَذْهَبَ بِقُلُوبِ ذَوِي الْأَلْبَابِ مِنْكُنَّ "، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَمَا نُقْصَانُ دِينِنَا وَعُقُولِنَا؟ فَقَالَ: " أَمَّا مَا ذَكَرْتُ مِنْ نُقْصَانِ دِينِكُنَّ فَالْحَيْضَةُ الَّتِي تُصِيبُكُنَّ، تَمْكُثُ إِحْدَاكُنَّ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَمْكُثَ لَا تُصَلِّي وَلَا تَصُومُ،

فَذَلِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِينِكُنَّ، وَأَمَّا مَا ذَكَرْتُ مِنْ نُقْصَانِ عُقُولِكُنَّ، فَشَهَادَتُكُنَّ إِنَّمَا شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ نِصْفُ شَهَادَةٍ" (۹۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں ایک روز نبی اکرم ﷺ صبح کے وقت نکلے، عورتوں کی طرف آئے اور وہاں کھڑے ہو کر فرمایا: بی بیو! میں نے عقل و دین میں کمی والی تمہارے جیسی کوئی مخلوق نہیں دیکھی جو اچھے خاصے عقل مند مردوں کے دلوں پر قابض ہو جائے۔ قیامت کے روز میں نے اہل جہنم میں زیادہ تم ہی کو دیکھا ہے۔ چنانچہ جتنا ہو سکے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ عورتوں کے اس مجمع میں عبداللہ بن مسعودؓ کی اہلیہ بھی تھیں، وہ عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئیں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی بات سنائی اس کے بعد وہ اپنے زیورات جمع کرنے لگیں اس پر عبداللہ بن مسعود نے ان سے پوچھا یہ سب لے کر کہاں چلیں؟ انہوں نے کہا: میں اسے صدقہ کروں گی اور اس کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا قرب حاصل کروں گی، شاید کہ اللہ مجھے قیامت کے روز جہنم سے بچالے۔ ابن مسعودؓ نے کہا: ادھر آؤ اسے مجھ پر اور میرے بچوں پر صدقہ کر دو، ہم اس کے مستحق ہیں۔ انہوں نے کہا نہیں، خدا کی قسم میں ایسا نہیں کروں گی

۹۰۔ مسند احمد ط الرسالۃ (ج ۱۴/ ص ۴۴۹) حدیث نمبر: ۸۸۶۲

جب تک میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جاکر اس کے بارے میں نہ پوچھ لوں۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں نے آج آپ کی بات سنی، پھر واپس جاکر اپنے شوہر کو بھی بتائی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تقرب کے لیے اپنے زیورات اکٹھے کئے کہ میں انہیں صدقہ کردوں مجھے یہ امید تھی کہ اللہ مجھے جہنم کی آگ سے بچالے گا۔ یہ دیکھ کر ابن مسعودؓ نے مجھ سے کہا: میں ان زیورات کو ان پر ان کے بچوں پر صدقہ کروں کیونکہ وہ اس کے پوری طرح مستحق ہیں۔ میں نے کہا: میں اس وقت تک ایسا نہیں کروں گی جب تک رسول اللہ ﷺ مجھے اس کی اجازت نہ دیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم یہ زیورات انہیں صدقے میں دے دو وہ اس کے مستحق ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ! آپ نے آج جو یہ فرمایا یہ میں نے عقل و دین میں کمی والی تمہاری جیسی کوئی مخلوق نہیں دیکھی، جو اچھے خاصے عقل مند مردوں کے دلوں پر قابض ہو جائے تو یہ وضاحت فرمادیجئے کہ ہماری عقل اور ہمارے دین میں کیا کمی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے دین میں کمی کی جو بات کی تھی تو اس سے مراد حیض ہے، جو عورتوں کو آتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک اللہ چاہے اور اس دوران میں وہ نہ نماز پڑھتی ہیں اور نہ روزہ رکھتی ہیں۔ عقل میں

کمی کا ذکر جو میں نے کیا تو اس کی بنیاد عورت کی گواہی ہے۔ دیکھو عورت کی گواہی آدھی ہے۔"

تیسری حدیث:

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ میں یہ واقعہ کچھ اس طرح بیان ہوا ہے:

أَخْبَرَنَا أَبُو زَيْدٍ سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، قَالَ: سَمِعْتُ ذَرًّا، عَنْ وَائِلِ بْنِ مُهَانَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلنِّسَاءِ: «تَصَدَّقْنَ، فَإِنَّكُنَّ أَكْثَرُ أَهْلِ النَّارِ» فَقَالَتِ امْرَأَةٌ لَيْسَتْ مِنْ عِلْيَةِ النِّسَاءِ: لِمَ، أَوْ بِمَ، أَوْ فِيمَ؟ قَالَ: «إِنَّكُنَّ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ» قَالَ: وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: "مَا مِنْ نَاقِصِي الدِّينِ وَالْعَقْلِ أَغْلَبَ لِلرِّجَالِ ذَوِي الْأَمْرِ عَلَى أَمْرِهِمْ مِنَ النِّسَاءِ، قَالَ رَجُلٌ: مَا نُقْصَانُ عَقْلِهَا؟ قَالَ: جُعِلَتْ شَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ. قَالَ سُئِلَ: مَا نُقْصَانُ دِينِهَا؟ قَالَ: تَمْكُثُ كَذَا وَكَذَا مِنْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَا تُصَلِّي لِلّٰهِ صَلَاةً۔[۹۱]

ترجمہ: "عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا: صدقہ کیا کرو، کیونکہ اہل جہنم میں عورتوں کی

۹۱۔ سنن الدارمی (ج ۱/ص ۶۸۴-۶۸۳)

تعداد زیادہ ہے۔ یہ سن کر ایک عورت، جو بڑے گھرانے کی عورتوں میں سے تھی، بولی: اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ تم بہت لعن طعن کرتی ہو اور اپنے شوہروں کی نافرمانی کرتی ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعودؓ نے کہا: عورتوں جیسی عقل و دین میں کمی والی کوئی مخلوق نہیں، جو معاملہ فہم مردوں پر غالب آجائے، اس پر عبداللہ بن مسعودؓ سے کسی نے پوچھا: عورت کی عقل میں کیا کمی ہے؟ انہوں نے کہا: دیکھو دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ اس کے بعد ان سے پوچھا گیا کہ عورتوں کے دین میں کیا کمی ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا: وہ حیض کی وجہ سے کچھ دِن اور راتیں ایسی گذارتی ہیں جن میں وہ اللہ کی عبادت نہیں کر سکتیں۔"

ان احادیث کی سند میں کوئی ضعف نہیں ہے۔ ہاں! البتہ ایک اعتراض جو ان پر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ سنن الدارمی کی روایت میں یہی الفاظ یعنی "نقصان دین وعقل" والے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منسوب ہیں نہ کہ رسول اللہ ﷺ سے۔ بہر حال اس حدیث کو درایت کی بنیاد پر غلط یا کمزور ثابت کرنے سے زیادہ مناسب یہ بات ہے کہ اسے تسلیم کر کے اللہ سے دعا کی جائے کہ وہ ہم پر اس کی اصلی معنی اور مفاہیم واضح فرمادے کیونکہ یہ زیادہ بہتر بات ہے کہ احادیث کی تفسیر کی جائے بجائے اس کے کہ جو حدیث اسناد کی درستگی کے باوجود ہمارے مؤقف کی حمایت نہیں کر رہی ہو اس کو درایت کی بنیاد پر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے۔

اب ہم اس حدیث شریف کے الفاظ پر غور کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے دین و عقل میں مردوں کے مقابلے میں کم بیان فرمایا ہے۔ اور اس کی مثال شہادت اور رخصتِ نماز سے دی ہے۔ لہٰذا لازمی بات ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی قدر مشترک ہوگی تب ہی دونوں کو یک جا بیان کیا گیا ہے۔

پہلے ہم دین کے معاملے کو لیتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دین کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ ﷺ نے کسی مقام پر بھی عورتوں اور مردوں میں تخصیص نہیں کی ہے۔ کوئی تمیز نہیں برتی۔ کوئی ایک فرض ایسا نہیں ہے جو کہ صرف اور صرف مردوں کے لیے ہو اور عورتوں کے لیے نہ ہو لیکن اس حدیث مبارکہ کے الفاظ کے مطابق عورتوں کے دین میں نقصان ہے۔ یعنی کمی ہے اور کمی کی وجہ کیا بیان کی جارہی ہے؟ ایک ایسا فعل جو کہ ان کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ان کی تخلیق ہی اسی طور فرمائی گئی ہے کہ یہ علت ان کے ساتھ منسلک ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی یہ سنت نہیں کہ وہ کسی کو بھی ایسی کسی بات کا مکلّف کرے جو کہ اس کے اختیار میں نہ ہو۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ عورتوں کی وہ نمازیں جو کہ ایامِ حیض کی وجہ سے قضاء ہو جاتی ہیں ان کا حساب بھی نہیں ہوگا اور وہ ادا ہی سمجھی جاتی ہیں اور یہی جواب رمضان کے روزوں کا ہے کہ رمضان میں روزے چھوڑ دینے کا کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر دین کے کس نقصان کی بات ہو رہی ہے؟ ہاں! اگر یہ بات یوں ہوتی کہ عورتیں جو نمازیں ایام مخصوصہ کی وجہ سے ترک کر

رہی ہوں ان کا حساب ہو اور ان کی قضاء واجب ہو اور قضاء کرنے کا بھی گناہ ہو پھر تو نقصان کی بات سمجھ میں آتی ہے۔

نماز، روزہ دونوں فرض ہیں اور ارا کینِ دین ہیں۔ اور ان کی ادائیگی میں رخصت اور قضاء پر معافی اور عدم ادائیگی کی صورت میں بری از پرسش ہونا یہ سب خصوصی رعایت نظر آتی ہے جو کہ مردوں کو کسی طور بھی حاصل نہیں ہیں۔

یہاں پر نقصانِ دین سے مراد مقبولیت میں کمی یا نقصان نہیں ہے بلکہ ادائیگی میں کمی اور نقصان ہے۔ مقبولیت میں دونوں برابر ہیں۔ یعنی ایک عورت کی ایک ماہ کی نمازیں بالکل اتنی ہی مقبول ہوتی ہیں جتنی کہ ایک مرد کی نمازیں اگرچہ عددی لحاظ سے عورت کی نمازیں ایک ماہ میں مرد کی نسبت کم ہوتی ہیں۔ لیکن یہ نقصان یا کمی یا چھوٹ اللہ کی طرف سے ہے۔ عورت کی اپنی مرضی اس میں شامل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ ایک خصوصی برتاؤ یا رعایت (privilege) ہے جو کہ عورتوں کو دی گئی ہے جو کہ مردوں کو حاصل نہیں ہے۔ مردوں کو یہ (privilege) زندگی کے کسی موڑ اور کسی حالت میں میسر نہیں ہے کہ وہ نماز ادا نہ کریں اور ان کی نماز ادا سمجھی جائے یا وہ نماز ادا نہ کریں اور ان سے قضاء کی بھی باز پرس نہ ہو۔ یوں ادائے دین کے معاملے میں مردوں پر عورتوں کی نسبت زیادہ ذمہ داری ہے۔ ان کے لیے کوئی مراعات نہیں، کوئی نقصان نہیں۔ یہ شرف اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف عورتوں ہی کو بخشا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا حدیث میں حضور ﷺ کے الفاظ ایک نہایت ہی لطیف نکتہ بیان فرما رہے ہیں کہ یہ مراعت (privilege) عورتوں کو ہی حاصل ہے کہ ان پر ادائیگی فرض کی ذمہ داری کم عائد ہوتی ہے۔

اب بخاری شریف کی روایت کی ان الفاظ کو دیکھتے ہیں۔ فرمایا:

أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ» قُلْنَ: بَلَى، قَالَ: «فَذَلِكِ مِنْ نُقْصَانِ دِينِهَا»

ترجمہ: اور کیا ایسا نہیں کہ جب اسے حیض ہوتا ہے تو وہ نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزے رکھتی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: یہی دینی معاملات میں ذمہ داری کی کمی ہے۔"

نیز اسی حدیث مبارکہ میں جو بات شروع میں بیان ہوئی ہے کہ:

فَقَالَ: «يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّي أُرِيتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ»

فرمایا: اے بی بیو! صدقہ دیا کرو کیونکہ بے شک میں نے جہنم میں زیادہ عورتوں کو ہی دیکھا ہے۔

تو اس کی وجہ نقصانِ دین نہیں ہے بلکہ اسی جملہ کے ساتھ اس کی بھی وجہ بیان کر دی ہے کہ:

قَالَ: «إِنَّكُنَّ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ»

آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ تم بہت لعن طعن کرتی ہو اور اپنے شوہروں کی نافرمانی کرتی ہو۔

یوں معلوم ہوا کہ عورتوں کی جہنم میں جانے کی وجہ نقصانِ دین نہیں ہے، وہ تو ایک رعایت ہے۔ اصل سبب تو کفرانِ نعمت اور لعن طعن ہے۔ نقصانِ دین کا ذکر یہاں اس لیے بیان ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عورتوں سے خطاب فرماتے ہوئے ان کو یاد دلا رہے ہیں کہ باوجود اس امر کے کہ عورتوں کی مجموعی طور پر ایک رعایت (privilege) حاصل ہے پھر بھی وہ ناشکری اور لعن وطعن کرتی ہیں جو کہ ان کو جہنم میں لے جائے گی۔

مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ عورتوں سے خطاب کر رہے ہوں اور ان کو ایک قسم کی تنبیہ کر رہے ہوں کہ تم کو دین کی ذمہ داری یا ادائیگی فرض سے متعلق رعایت (privilege) حاصل ہونے کے باوجود تم جہنم میں جاؤ یہ بات اچھی نہیں ہے، لہٰذا اپنے آپ کو ٹھیک کر لو۔

سنن الدارمی کی روایت سے بھی یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے بھی نقصانِ دین سے رعایت (privilege) ہی مراد لی ہے۔

اب ہم اس حدیث مبارکہ کے دوسرے اہم جملے کی طرف آتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے نقصانِ عقل کا ذکر کیا ہے اور اس بات سے عورت کی ادائیگی شہادت کو منسلک کیا گیا ہے۔ یہاں ہمیں پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیئے کہ ہمیں اس ربط کو صحیح طور پر سمجھنے میں آسانی فرمائے۔

عقل میں نقصان کا مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے لفظ "عقل" کا مفہوم اور مطلب سمجھ لیا جائے۔

امام راغب الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے عقل کی تعریف یوں کی ہے:

"عقل اس قوت کو کہتے ہیں جو قبول علم کے لیے تیار رہتی ہے اور وہ علم جو اس قوت کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اسے بھی عقل کہہ دیتے ہیں۔"(۹۲)

حضرت علیؓ کا قول ہے:

العقل عقلان: مطبوع ومسموع كما لا ينفع ضوء الشمس اوضوء العين ممنوع۔

"عقل دو قسم کی ہے: عقل طبیعی یعنی جو طبیعت میں ودیعت کی گئی ہے۔ اور عقل سمعی یعنی وہ لوگوں سے باتیں سن کر حاصل ہوتی ہے"۔ یعنی (acquired knowledge) یا

۹۲۔ (مفردات القرآن، ج ۲، ص ۱۵۳)

(primary knowledge) اگر کوئی شخص فطری عقل سے کورا ہو تو اس کی حاصل کی ہوئی عقل اسے کوئی فائدہ نہیں دے سکتی جیسے سورج کی روشنی اندھے آدمی کے لیے بے فائدہ ہے۔

یہ تو تھے عقل کے اصطلاحی معانی، اب ہم اس لفظ کے خالص لغوی معانی پر نظر ڈالتے ہیں۔ عقل کے معنی ہیں: روکنا، منع کرنا۔ جیسے عقال یعنی پائے بند سے اونٹ کا پاؤں باندھنا۔ محاورہ ہے: عقلت المرأۃ شعرھا عورت نے اپنے بال باندھ لیے۔ عقل لسانہ: اس نے اپنی زبان روک لی۔ حصن یعنی قلعہ کو اسی وجہ سے معقل کہا جاتا ہے۔

لفظ عقل کے لغوی واصطلاحی معانی دیکھ لینے کے بعد ضروری ہے کہ نقصان عقل کا مفہوم اور عقل کا تعلق ادائے شہادت بلکہ تحمل شہادت سے معلوم کیا جائے۔ چونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ احادیث نبویہ میں غیر منطقی استدلال نہیں پایا جاتا۔ اور اگر ہم یہ دلیل یوں مانیں کہ کیونکہ عورت کی گواہی آدھی ہے اس لیے وہ ناقص العقل ہے، یہ منطق کی اصطلاح میں مصادرہ علی المطلوب ہوگا کہ جب پہلی بات ہی نہیں مانی جارہی تو دوسری بات کی دلیل کیسے بن سکتی ہے۔

عقل کا شریعت میں ایک اہم مرتبہ ہے کہ عقل ہی وہ کلیہ وپیمانہ ہے جس کی بناء پر شارع نے جرم کی سزا کی کمی وزیادتی کی ہے۔ یعنی مجنون پر سے سزا اٹھالی گئی ہے اور نہ صرف سزا اٹھالی گئی ہے بلکہ اس کا حساب وکتاب بھی معاف ہے۔

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَام، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَعْقِلَ "[۹۳]

ترجمہ: اللہ نے تین قسم کے انسانوں سے قلم اٹھالیا ہے (یعنی ان کی پکڑ نہیں) ایک: سویا ہوا شخص جب تک کہ وہ جاگ نہ جائے۔ دوسرا: بچہ کہ جب تک وہ بالغ نہ ہوجائے۔ اور تیسرا: مجنون (جس کی عقل چلی گئی ہو) جب تک کہ وہ ٹھیک نہ ہو جائے۔

اس حدیث سے ایک عمومی کلیہ معلوم ہوا کہ مکمل صاحب عقل شخص جرم کرنے کی صورت میں مکمل سزا کا مستحق ہوگا اور اگر کوئی جرم کرے گا تو اس پر کوئی سزا عائد نہ ہوگی۔ یوں معلوم ہوا کہ جرم وسزا میں اصل عمل ودخل عقل (intention) کا ہے۔ عقل کی عدم موجودگی میں انسان کی مجرمانہ ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے تو لازماً اگر کوئی ایسی مخلوق ہے کہ جس کی عقل مکمل اور کامل عقل رکھنے والی مخلوق یا جنس کے مقابلے میں نصف ہے تو اس کی مجرمانہ ذمہ داری بھی نصف ہوگی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ ایک عاقلہ و بالغہ عورت اگر جرم کرتی ہے تو قرآن اس کی وہی سزا تجویز کرتا ہے جو کہ ایک عاقل بالغ مرد کی کرتا ہے۔ لہٰذا

۹۳۔ سنن ابی داود (ج ۴ / ص ۱۴۱) حدیث ۴۴۰۳

اگر ان دونوں جنسوں کی قرآن وسنت کی رو سے مجرمانہ ذمہ داری (criminal liability) بالکل مساوی ہے تو لازماً ان کی عقل بھی بالکل برابر ہو گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر حدیث شریف میں نقصان عقل سے کیا مراد ہے؟ نیز اس کا تعلق ادائے شہادت یا تحمل شہادت سے کیا ہے؟

جیسا کہ پہلے دیکھا جاچکا ہے کہ ادائے شہادت ایک فرض ہے کہ جس میں عورتوں کو کم ذمہ داری سونپی گئی ہے یا یہ کہ ان کو کچھ رعایت دی گئی ہے ادائے شہادت کے لیے تحمل شہادت ضروری ہے اور اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ عورت مرد کے بالکل مساوی ہے، اس کی عقل قبول علم میں اور اس علم کے معالہ میں جو کہ اس قوت سے حاصل کیا جاتا ہے مرد کی عقل کے برابر ہے۔ نیز عقل طبیعی (primary knowledge) اور عقل سمعی (acquired knowledge) میں بھی عورت اور مرد کی صلاحیتوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

اب ہمارے پاس صرف اور صرف عقل کا تیسرا اور آخری پہلو رہ جاتا ہے جو کہ اس کے لغوی معنی سے واضح ہوتا ہے اور اس کا تعلق کچھ کچھ ادائے شہادت سے بھی بنتا ہے۔

عقل کے لغوی معانی جیسا کہ پہلے بیان کیے جاچکے ہیں کہ باندھنے کے اور روکنے کے ہیں تو اگر یوں دیکھا جائے کہ ادائے شہادت بھی تو یہی ہے کہ انسان کسی بات کے علم میں آجانے کے بعد اس کو روکے رکھتا ہے۔ اپنے حافظہ میں اپنی عقل

سے ان حقائق کو باندھے رکھتا ہے اور پھر جوں کا توں پیش کر دیتا ہے یا ادا کر دیتا ہے، یہ ''ادائے شہادت'' کہلاتا ہے۔

اب اگر شارع ادائے شہادت کے معاملے میں عورتوں کو کوئی رعایت دیتا ہے یا ان کی ذمہ داری میں کمی کرتا ہے یا ان کے ساتھ کوئی خصوصی برتاؤ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ ان کی عقل (جس کی بنیاد پر انسان مکلّف ہوتا ہے) مردوں کے مقابلے میں کم ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہوگی کہ شارع عورتوں سے ادائے شہادت کا اس معیار پر مطالبہ نہیں کر رہا جو کہ اس نے مردوں کے لیے رکھا ہوا ہے۔ یعنی اصل تو یہ تھا کہ وہ واقعات کو یا اس معاملہ کو جس کے متعلق وہ گواہی دے رہے ہیں اپنے حافظہ میں ٹھیک ٹھیک باندھ لیتیں اور اس ذمہ داری سے بالکل صحیح طور پر عہدہ برآ ہوتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مردوں کے مساوی عقل دی ہے۔ لہٰذا انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ وہ بھی اس فرض کی ادائیگی میں اپنی عقل کو اتنا ہی استعمال کریں جتنا کہ مرد کرتے ہیں۔ وہ واقعات کو یاد کرنے میں عقل کو اتنا ہی کام میں لائیں جتنا مرد لاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو یہ خصوصی رعایت دی ہے یا یوں کہیے کہ اس کی ادائیگی شہادت میں کمی یا نقصان ہے کہ وہ دورانِ شہادت اپنی ساتھی کی مدد لے سکتی ہیں اور اس کے باوجود ان کی شہادت اتنی ہی معتبر ہوگی جتنی کہ ایک مرد کی شہادت ہوتی ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ صرف ان کو ایک خصوصی رعایت (Advantage) دیتا ہے۔

جس طرح دین کے نقصان سے مراد دینی ذمہ داری کی ادائیگی میں تخفیف تھا اسی طرح عقل کے نقصان سے مراد عقلی ذمہ داری کی ادائیگی میں رعایت یا تخفیف ہے۔ ان دونوں کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ عورتوں کا دین اور عقل دونوں ناقص ہیں۔ رہا مسئلہ آدھی گواہی کا تو اگر ہم حدیث کے الفاظ کو پڑھیں تو پتہ چلے گا کہ وہاں پر بھی جملہ یوں ہے:

قَالَ: «أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ»[۹۴]

آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ایک عورت کی گواہی مرد کے معاملے میں آدھی نہیں ہے؟

اس میں لفظ مثل صاف طور پر واضح کر رہا ہے کہ در حقیقت تو وہ پوری گواہی ہے۔ لیکن کیونکہ ان کو ایک رعایت دے دی گئی ہے کہ وہ دو بھی کسی خاص موقع پر شہادت دے سکتی ہیں۔ تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے ان کو نصف شہادت دی گئی ہو لیکن ایسا نہیں ہے۔ ویسے بھی ہمیں قرآن وسنت میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ قاضی کے سامنے کسی معاملہ میں صرف ایک عورت آئی ہو اور اس کی شہادت لینے سے محض اس وجہ سے انکار کر دیا گیا ہو کہ وہ اکیلی ہے۔

۹۴۔ صحیح البخاری (ج ا/ ص ۶۸)

اسی حدیث شریف کا ایک اور لطیف پہلو کہ حضور ﷺ نے نہایت بلاغت سے ناقص الدین والعقل کا مسئلہ حل فرمایا ہے اس حدیث میں عورتوں کے دین کے نقصان کا ذکر فرمایا کہ وہ جہنم میں جانے کا سبب نہیں بیان کیا بلکہ جہنم میں جانے کا سبب کچھ اور ہی بیان کیا ہے۔

یہی حال عقل کے نقصان کا ہے۔ اس کا بھی ذکر کیا اور نقصان عقل کو واضح بھی کیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ یہ عقل کے عمومی مفہوم میں تو یہ عورتیں، مردوں سے سواہی ہیں کہ اچھے خاصے ذی عقل انسان کی مت مار دیتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ عقل میں کم از کم ان کے برابر ہیں تبھی تو ان کی عقل مارتی ہیں۔ یوں معلوم ہوا کہ یہاں عقل سے مراد کوئی اور چیز ہے یعنی ادائے شہادت میں عقلی ذمہ داری۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ نماز اور روزہ کی ادائیگی دینی فریضہ ہے اور عدالت میں گواہی دینا ایک معاشرتی فریضہ ہے۔ یا یوں کہیے کہ اول الذکر حقوق اللہ کے زمرے میں آتا ہے کہ عبادات ہیں اور ثانی الذکر حقوق العباد کے زمرہ میں آتا ہے کہ اس سے کسی نہ کسی بشر کا کوئی حق منسلک ہوتا ہے اور دونوں کی ادائیگی میں کمی یا نقصان سے مطلب یہ نہیں کہ ان معاملات میں عورتوں کی ذمہ داری کم ہے بلکہ یہ ہے کہ فرضیت میں تو یہ دونوں پر مساوی ہیں لیکن مخصوص حالات میں ان معاملات میں عورتوں کی کچھ کم ادائیگی بھی پوری ہی سمجھی اور مانی جاتی ہے۔

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ رخصت جو عورتوں کو دی جارہی ہے یہ خاص صورت حال (circumstances) کے لیے دی جارہی ہے یعنی ایامِ مخصوصہ کے علاوہ

اگر کوئی عورت نماز یا روزہ چھوڑتی ہے تو وہ گناہ کرتی ہے اور اس کی پکڑ ہوگی۔ یہی معاملہ شہادت کا ہے کہ اصلاً تو ہر معاملہ میں اس کی پوری شہادت ہے اور مرد اور عورت کی شہادت میں کوئی تمیز نہیں کی گئی ہے لیکن جہاں قرآن کریم نے اجازت دے دی ہے کہ دو عورتیں مل کر بھی شہادت دے سکتی ہیں ایسے معاملہ میں عورتیں اپنا مخصوص حق (privilege) استعمال کر سکتی ہیں۔ ہر معاملہ میں یا ہر مسئلہ میں وہ یہ حق استعمال نہیں کر سکتیں جیسا کہ تفصیلاً پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔

رعایت یا چھوٹ، کبھی بھی عمومی تاثر نہیں رکھتے جب بھی کسی معاملہ میں کسی رعایت، چھوٹ، کمی یا نقصان کا ذکر ہوتا ہے تو اس کا استثنائی (exceptionl) صورت حال پر اطلاق ہوتا ہے نہ کہ اصل پر۔ ظاہر ہے اصل حکم جب کچھ اور ہوتا ہے تبھی تو اس کی استثنائی (exceptions) صورت بھی بیان ہوتی ہے۔ بصورت دیگر تو اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ یہی بات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس حدیث شریف میں بیان فرمارہے ہیں۔ اس حدیث میں عورتوں کو دی گئی خصوصی مراعات کا تذکرہ فرمایا جارہا ہے نہ کہ عمومی احکام کا ذکر ہو رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عمومی حکم کوئی اور ہے اسی وجہ سے خصوصی حکم کی وضاحت ہو رہی ہے۔ جیسا کہ انگریزی زبان کا کلیہ ہے:

‘Exception proves the rules’

استثنائی حکم ہی عمومی حکم کو ثابت کرتا ہے۔

دو عورتوں کی شہادت
ایک مرد کی شہادت کے مساوی ہے
کیا یہ عمومی حکم یا کہ استثنائی؟

سارے قرآن کریم کے مطالعے سے ہمیں صرف ایک ہی آیتِ کریمہ ملتی ہے جس میں دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے مساوی قرار دیا ہے۔ اور یہ آیت قرآن کریم کی سب سے طویل آیت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَى أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَى أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا

تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۸۲﴾ (۹۵)

ترجمہ: مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو اور لکھنے والا تم میں (کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ) انصاف سے لکھے نیز لکھنے والا جیسا اسے خدا نے سکھایا ہے لکھنے سے انکار بھی نہ کرے اور دستاویز لکھ دے اور جو شخص قرض لے وہی (دستاویز کا) مضمون بول کر لکھوائے اور خدا سے کہ اس کا مالک ہے خوف کرے اور زر قرض میں سے کچھ کم نہ لکھوائے اور اگر قرض لینے والا بے عقل یا ضعیف ہو یا مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو جو اس کو ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ مضمون لکھوائے اور اپنے میں سے دو مردوں کو (ایسے معاملے کے) گواہ کرلیا کرو۔ اور اگر دو مرد نہ ہو تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو (کافی ہیں) کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلادے گی اور جب گواہ (گواہی کے لئے) طلب کئے جائیں تو انکار نہ کریں اور قرض تھوڑا ہو یا بہت اس (کی دستاویز) کے لکھنے لکھانے میں کاہلی نہ کرنا یہ بات خدا کے نزدیک نہایت قرین انصاف ہے اور شہادت کے لیے بھی

۹۵۔ البقرۃ: ۲۸۲

یہ بہت درست طریقہ ہے اس سے تمہیں کسی طرح کا شک وشبہ بھی نہیں پڑے گا ہاں اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو اگر (ایسے معاملے کی) دستاویز نہ لکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اور جب خرید وفروخت کیا کرو تو بھی گواہ کرلیا کرو اور کاتب دستاویز اور گواہ (معاملہ کرنے والوں) کسی طرح کا نقصان نہ کریں۔ اگر تم (لوگ) ایسا کرو تو یہ تمہارے لئے گناہ کی بات ہے اور خدا سے ڈرو اور (دیکھو کہ) وہ تم کو (کیسی مفید باتیں) سکھاتا ہے اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

قرآن کریم کی یہ طویل ترین آیت چھوٹے بڑے کل ۱۶ جملوں پر مشتمل ہے۔ مفسرین نے اس آیت کو آیت متدائنہ سے بھی موسوم کیا ہے یعنی لین دین کی آیت۔ اس آیت کی ابتداء عمومی حکم ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ سے ہوتی ہے کہ اس آیت میں کوئی عمومی حکم فرمایا جارہا ہے۔ یہ وہ آیت ہے جس سے اسلام میں ایک میعاد کے لیے قرض لینے کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ اسی آیت نے قرض لینے اور دینے کو جائز قرار دیا ہے۔ اس پوری ایت کو اگر بار بار پڑھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا آپس میں مالی معاملات میں لین دین کا تفصیلی طریقہ بیان فرمایا ہے کہ قرض کو لکھ لیا جائے، اگر قرض لینے والا لکھ پڑھ نہیں سکتا تو کوئی اور شخص ایمان داری سے یہ فرض ادا کرے۔

اب ہم اس آیت کریمہ کے ایک ایک حصہ یا جملہ کا باری باری عمیق تجزیہ کرتے ہیں۔

پہلا جملہ :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾

ترجمہ : اے ایمان والو! جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کا کسی وقتِ مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو۔

آیت کریمہ کے اس پہلے جملے یا حصے سے چار باتیں واضح ہوتی ہیں :

۱. سب سے پہلے تو یہ کہ یہ ایک عمومی حکم ہے جس کا اطلاق تمام مسلمانوں مردوں و عورتوں پر یکساں طور پر ہوتا ہے۔
۲. دوسرا یہ کہ مسلمانوں کے لیے قرض لینا بھی جائز ہے۔
۳. تیسرا یہ کہ قرض کسی خاص میعاد کے لیے لینا بھی جائز ہے۔
۴. چوتھی بات جو کہ سب سے اہم ہے کہ قرض کا لین دین دستاویزی یا تحریری شکل میں ہونا چاہئے۔

دوسرا جملہ :

﴿وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ﴾

ترجمہ: اور چاہیئے کہ لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے ولا
انصاف کے ساتھ۔

اس جملہ میں کاتب (scriber) کے لیے حکم ہے کہ جو شخص یہ دستاویز تیار کرے تو اس میں کسی قسم کی ڈنڈی نہ مارے۔ اسے چاہیئے کہ وہ ایمانداری سے وہی رقم اور وہی شرائط لکھے جو کہ واقعی مابین فریقین طے پائی ہیں۔اپنی طرف سے کوئی ترمیم یا اضافہ نہ کرے جس سے طرفین کے مفادات کو ذرہ برابر بھی نقصان ہو۔

تیسرا جملہ:

﴿وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ﴾

ترجمہ: اور انکار نہ کرے لکھنے والا اس سے کہ وہ لکھ دیوے جیسا کہ
سکھایا اس کو اللہ تعالیٰ نے سو اس کو چاہیئے کہ اس کو لکھ دے۔

یہ جملہ یا حصہ بھی دوسرے جملے سے متصل ہی ہے اور اسی تسلسل میں چلا آرہا ہے۔ کیونکہ پہلے جملہ میں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ قرض کا لین دین لکھ لیا کرو۔ دوسرے یہ کہ جو اس دستاویز کو تیار کرنے والا شخص ہے اس پر بھی بہت ذمہ داری ہے کہ وہ اسے عدل وانصاف سے تیار کرے۔ کوئی ڈنڈی نہ مارے اور یہ جملہ کہ اگر کسی سے التماس یا درخواست کی جائے کہ وہ یہ معاہدہ یا دستاویز رقم کردے تو اس کا انکار جائز نہیں کیونکہ اسکاانکار اللہ کے ایک اہم حکم کی بجاآوری کے سامنے بے وقعت اور بے معنی ہے۔

چوتھا جملہ :

﴿وَلۡيُمۡلِلِ الَّذِىۡ عَلَيۡهِ الۡحَـقُّ وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبۡخَسۡ مِنۡهُ شَيۡـــًٔا﴾

ترجمہ : اور بتلاتا جاوے وہ شخص کہ جس پر قرض ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا رب ہے اور کم نہ کرے اس میں سے کچھ۔

اس جملہ میں کاتب (scriber) کے لیے آداب بیان کیے گئے ہیں کہ وہ قرض دار کو ساتھ ساتھ بتاتا جائے کہ جو وہ لکھ رہا ہو اور اس میں کوئی چیز کم یا زیادہ نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ کہے یا بتائے کہ تم نے فلاں سے دس ہزار (-/۱۰،۰۰۰) روپے ایک سال کے لیے جبکہ لکھ بیس ہزار (-/۲۰،۰۰۰) روپے دے چھ ماہ کے لیے۔ ایسا کرنا گناہ وجرم ہوگا۔

پانچواں جملہ :

﴿فَاِنۡ كَانَ الَّذِىۡ عَلَيۡهِ الۡحَـقُّ سَفِيۡهًا اَوۡ ضَعِيۡفًا اَوۡ لَا يَسۡتَطِيۡعُ اَنۡ يُّمِلَّ هُوَ فَلۡيُمۡلِلۡ وَلِيُّهٗ بِالۡعَدۡلِ﴾

ترجمہ : پھر اگر وہ شخص جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتلا سکتا، تو بتلاوے کارگذار اس کا انصاف سے۔

یہ جملہ بھی ماقبل جملوں سے ملا ہوا ہے۔اس سے پہلے اس شخص کے متعلق بیان تھا کہ جو عقل مند ہے اور ضعیف بھی نہیں ہے اور خود بتلا بھی سکتا ہے لیکن ضبط کتابت کے وقت جو کاتب دستاویز ہے وہ ایمانداری اور عدل سے عبارت میں رقم اور میعاد لکھ دے تو اس کو پڑھ کر دُہرائے اور دُہرانے میں کمی بیشی نہ کرے۔ لیکن اس جملہ میں اس شخص کے لین دین کو لکھنے کا ذکر ہورہا ہے جو کسی نہ کسی طور پر خود صحیح شرائط معاملہ بیان کرنے سے قاصر ہے۔ مثلاً وہ کم عقل، بے وقوف یا پھر بہت ضعیف، کمزور و ناتواں ہے یا یہ کہ وہ خود بتلا نہیں سکتا یعنی شرائط کی املاء (Dictate) نہیں کرا سکتا تو ایسے شخص کے لیے ضروری ہے کہ اس کی بجائے اس کا ولی اس کی دستاویز تیار کرے۔ عدل وانصاف کے ساتھ اس جملہ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہاں تک وہی مضمون چلا آرہا ہے جو کہ ابتداء میں بیان کیا گیا تھا یعنی قرض کے لین دین کا لکھ دینا۔

چھٹا جملہ :

﴿وَاسۡتَشۡهِدُوا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِجَالِكُمۡ﴾

ترجمہ : اور گواہ کر دو شاہد اپنے مردوں میں سے۔

اس آیت کریمہ کا یہ حصہ یا جملہ ہمارے موضوع کی مناسبت سے نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔اس سے ماقبل کے پانچ جملے دستاویز تیار کرنے کا طریقہ بیان

کر رہے ہیں کہ لین دین لکھ لیا کرو۔ اگر خود نہیں لکھ سکتے تو جس سے بھی کہا جائے کہ وہ یہ معاہدہ تحریر کر دے تو اس پر لازم ہے کہ وہ انکار نہ کرے اور ساتھ ہی یہ تفصیل بھی بیان فرمادی کہ اگر قرض لینے والا کسی وجہ سے اس دستاویز کو خود تیار نہیں کرا سکتا تو کوئی اس کا ولی مکمل ایمانداری سے اس دستاویز کو تیار کروائے۔

اب اس جملہ میں اس دستاویز کی تیاری کے بعد اس کی قانونی حیثیت بنانے کے لیے اس پر گواہ ڈالے جا رہے ہیں۔ یعنی جہاں قرض کا لین دین ایک میعاد خاص کے لیے ہو رہا ہو اور حسب حکم الٰہی لکھ بھی لیا جائے تو اس کی دوسری شرط یہ ہے کہ اس وقت اس معاہدہ کے طے پاتے وقت دو مرد گواہ موجود ہوں یعنی حاشیہ کے گواہ (marginal witnesses) کا ذکر ہو رہا ہے۔

ساتواں جملہ :

﴿فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ﴾

ترجمہ : پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تا کہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلاوے اس کو دوسری۔

اس آیتِ مبارکہ کا یہ جملہ بھی نہایت ہی اہم اور خصوصی غور کا متقاضی ہے۔ شہادت کے مسئلہ پر جو دوسری رائے ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد

کے برابر ہے۔ اس رائے کے حق میں اس جملہ کے علاوہ کوئی اور دوسری دلیل موجود نہیں۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں یعنی اس جملہ کا مطلب۔ جیسا کہ پہلے بیان گذر چکا ہے کہ دو مردوں کی شہادت کا حکم دستاویز پر حاشیہ کی شہادت (marginal witnesses) کی تعریف میں آتا ہے جو کہ ہماری اپنی رائے نہیں بلکہ متقدمین بھی اس رائے کے حامی نظر آتے ہیں۔ اب اگر اس جملہ کی ابتداء پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ جملہ ایک توضیح طلب صورتِ حال بیان کر رہا ہے کہ اصل تو یہی بات ہے کہ ایسی دستاویز جس میں کسی خاص میعاد تک کے لیے قرض کے لین دین کا ذکر ہو اس پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ لیا کرو جن کو تم چاہو۔ آگے چل کر اس کی وجہ بھی بیان ہوئی ہے کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد کرادے۔ آیت کے اس حصہ یا جملہ میں مندرجہ ذیل امور واضح ہو رہے ہیں۔

۱. یہاں پر خصوصی حکم کا ذکر ہے، جس کا تعلق دستاویز پر حاشیہ کی شہادت سے ہے وہ بھی میعاد قرض کے لین دین سے۔
۲. دستاویز پر حاشیہ کی شہادت کا علم ہمیں اولا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ سیاق وسباق بتا رہے ہیں کہ عدالتی شہادت کا تذکرہ نہیں ہو رہا۔ ثانیا: جو گواہ بنانے کا اختیار دیا جارہا ہے وہ بھی یہ امر واضح کرتا ہے کہ بات دستاویز کے گواہان کی ہے کہ پہلی ترجیح تو دو مردوں کو ہے اور اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، وہ بھی اپنی مرضی کی یعنی جسے

مناسب سمجھا جائے۔ ظاہر ہے کہ عدالتی معاملہ میں واقعاتی گواہ کبھی مرضی کے نہیں ہو سکتے وہ تو ساری دنیا میں سے کوئی لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو اس وقوعہ کے گواہ ہوں۔ اس میں عدالت کی مرضی یا مدعی یا مدعا علیہ کی مرضی شامل نہیں ہوتی۔ وہ مرد بھی ہو سکتے ہیں اور عورت بھی۔ ایک بھی ہو سکتا ہے اور ایک سے زیادہ بھی۔ عدالتی گواہ کا اصل منشا عادل و منصف کی معاونت ہے۔ قاضی کو مدد حاصل ہو کہ وہ واقعات کو صحیح طور پر جانچ سکے اور عدل وانصاف پر مبنی فیصلہ تک بطریق احسن رسائی حاصل کر سکے۔

۳. آیت مبارکہ کے اس جملہ یا حصہ میں موجود لفظ ﴿تَرۡضَوۡنَ﴾ یعنی تمہاری مرضی کے مطابق گواہ ہونے چاہئیں اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ ذکر دستاویزی شہادت کا ہو رہا ہے نہ کہ عدالتی شہادت کا۔

۴. ایک اور غور طلب مسئلہ جو آیت مبارکہ کے اس حصہ یا جملہ میں ہے وہ یہ کہ دستاویز شہادت کا حقیقی تقاضا یہ ہے کہ اس پر دو مرد گواہ ہوں۔ لیکن اللہ نے چھوٹ دی ہے کہ اگر قرض لینے والے یا دینے والے دونوں میں سے کسی کو دشواری ہے کہ اسے دو مرد بطور گواہ دستیاب نہ ہوں تو اس میں یہ گنجائش میسر کی گئی ہے کہ پھر ایک مرد اور دو عورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ یہاں صرف اتنی سی بات اخذ کر لینا ہماری رائے میں انتہائی سنگین غلطی ہے کہ ایک مرد کی گواہی دو عورتوں کی گواہی کے

مساوی ہے ۔ اور یہ معاملہ عمومی ہے محض دستاویز پر شہادت کے معللہ تک نہیں۔ ہماری دانست میں اگر یہ پیمانہ یا کلیہ ہوتا تو یہ کہا جاتا کہ دو مرد ورنہ چار عورتیں، لیکن ایسا حکم نہیں دیا گیا۔ ایک مرد دو عورتوں کی شہادت کے مساوی ہے جبکہ یہاں دستاویز کو تیار کرنے والے لوگوں کو ایک قسم کی رخصت دی گئی ہے کہ اگر تمہیں دستاویز پر شہادت کے لیے مرد میسر نہیں آتے تو تب تم دو عورتوں کو ایک مرد کی بجائے بطور گواہ رکھ سکتے ہو۔

۵. دستاویز پر شہادت چار عورتوں کی صورت میں قابل قبول نہیں ہے۔ کم از کم ایک مرد کا ہونا لازم ہے۔

٦. اس جملہ سے یہ بات ہر گز ہر گز استنباط نہیں کی جاسکتی کہ ایک مرد کی شہادت دو عورتوں کے مساوی ہے۔ اگر یہی کلیہ ہوتا تو جیسا کہ ہم سورۃ یوسف کی آیت (۲۰) میں دیکھتے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام پر ایک عورت نے الزام لگایا تو وہ اپنی صفائی پیش کرتے ہیں لیکن ان کی ذاتی حلف یا گواہی پر اس مقدمہ کا فیصلہ نہیں کیا جاتا بلکہ اضافی قرائن کی شہادت آتی ہے پھر معاملہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اگر قرآنی کلیہ یہی ہوتا تو ایک عورت کی ایک مرد کے سامنے تو بات ہی نہیں سنی جاتی کہ وہ اکیلی ہے اور ایک عورت تو گواہی دے ہی نہیں سکتی۔ نیز یہ کہ یوسف علیہ السلام نہ صرف مرد تھے بلکہ ایک جلیل القدر پیغمبر بھی تھے۔

۷. آیت کے ان ابتدائی سات حصوں یا جملوں کے مطالعہ سے ایک نفیس نکتہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جو رعایت صرف عورتوں کو ایسی دستاویز پر شہادت میں دی گئی ہے اس کا تعلق عورتوں کی ضعیف العقلی سے ہر گز نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اسی آیت کے پانچویں جملہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسے قرض لینے والوں کی فہرست بتلائی ہے جو کسی نہ کسی صورت اپنی دستاویز املاء نہیں کرواسکتے۔ ایسے قرض داروں کی اللہ تعالیٰ نے بذات خود تین قسم کی علت بیان کردی ہے کہ :

اولا: وہ کم عقل یا بیوقوف ہو۔

ثانیا: ضیعف ہو۔

ثالثا: ایسے افراد جو املاء نہ کراسکتے ہوں یعنی کوئی نطق کا مسئلہ ہو یا جسمانی معذوری وغیرہ وغیرہ

تو ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کی دستاویز پر ایک ضعیف العقل گواہ نہیں ہوسکتا۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ عورتیں ان سے عقلی لحاظ سے بہتر ہیں تبھی تو ان کی گواہ ہیں۔ وہ ایک اوسط انسان کی عقل رکھتی ہیں اس لیے گواہ ہوسکتی ہیں اور دو کی تعداد معاشرتی اقدار کی بناء پر رکھی گئی ہے۔

۸. یہ دلیل انتہائی بُعدی ہے کہ عورت مرد سے عقلی لحاظ سے آدھی ہے۔ اس لیے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔

اگر یہ بات سچ تسلیم کر بھی لی جائے تو اس کی دلیل انتہائی کمزور ہے۔ کیونکہ دو بے وقوف مل کر بھی ایک عقل مند کے برابر نہیں ہو سکتے دو تو کجا، دس بے وقوف بھی مل جائیں تو ایک عقل مند کے برابر نہیں ہو سکتے۔ عقل کوئی قابل مقیاس شے (Measurable thing) نہیں کہ آدھ کلو وزن، جمع آدھ کلو وزن، مساوی ایک کلو وزن ہو جائے۔ اگر یہ بات درست تسلیم کر بھی لی جائے تو پھر دو پاگل ایک عاقل کے برابر ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا یہ دلیل ناقابل قبول اور غیر معقول ہے۔

۹. بظاہر یہاں پر جو دو عورتوں کی گواہی ڈالی گئی ہے اور اس میں بھی ان کو یہ خاص مراعت دی گئی ہے کہ اگر معاملہ کسی عدالت یا قاضی کے سامنے آئے تو دونوں مل جل کر ایک دوسرے کی مدد کریں اور قاضی حقیقت کو سمجھتے ہوئے اس کی تہہ تک پہنچ جائے، جو کہ دستاویز کے بظاہر مطالعہ سے سمجھ میں نہ آ رہا ہو اور وضاحت یا تشریح (interpretation) طلب ہو۔ اس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

اولا: یہ منشاء الٰہی کہ حق دار کا حق نہ مارا جائے اور کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہو، یہ بات اس آیت کے ماقبل تمام جملوں سے ثابت ہوتی ہے اور ویسے بھی ظاہر ہے کہ ایک دستاویز جو کہ پہلے سے لکھی ہوئی قاضی کے سامنے موجود ہے اب اس میں گواہی کی کیا ضرورت اور اس میں بھولنے اور یاد کرانے کا کیا

مطلب؟ یہاں پر بھولنے اور یاد کرنے کا منشاء یہ ہے کہ دستاویز کی کلی طور پر یا اس کی کسی شق کی تشریح (interpretation) کی صورت میں یہ بات سامنے آئے۔

ثانیا: دوسرا نکتہ یہ ہے کہ عورتوں کو کیوں کر گواہی دینے کے دوران ایک دوسرے کے ساتھ رکھا گیا اور مردوں کو کیوں نہیں؟!۔۔۔ تو جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے اس کا سبب عقل کی کمی نہیں بلکہ یہ معاشرتی اسباب کے پیش نظر ہے۔ اس سے عورت کی ذمہ داری کم کرنا مقصود ہے اور مدعی کا حق دلانا مقصودِ اولین ہے۔ اس خصوصی مراعت کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عورتیں جو کہ عقلی لحاظ سے بالکل مرد کے مساوی ہیں معاشرتی لحاظ سے کم از کم دو درجوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں۔ ایک وہ درجہ جو کہ تعلیم یافتہ با اعتماد اور عملی زندگی اور معاشرتی لحاظ سے مرد کے برابر بلکہ کئی مقامات پر وہ اوسطاً مرد سے بھی زیادہ ذہین، کارآمد اور معاشرے کا فعال رکن ہوتی ہیں اور دوسری وہ عورتیں جو کہ معاشرتی لحاظ سے ایک مختلف اور محدود دائرہ کار میں رہ رہی ہوتی ہیں، ان کے علاوہ معاشرتی لحاظ سے عورتوں کی کوئی تیسری قسم نہیں بنائی جاسکتی۔

اب ہم اپنے اصل مسئلے کی طرف آتے ہیں کہ گواہی کے وقت جو عورت کو خصوصی مراعت دی گئی تھی اس کا عملی نمونہ کیا ہوگا:

الف: اگر دونوں عورتوں کا تعلق اول الذکر طبقہ سے ہے تو پھر بات یوں ہوگی کہ وہ یا دونوں معاملہ فہم ہوں گیں اور پہلی عورت جو قاضی یا عدالت کے سامنے گواہی دے رہی ہے گواہی دے دے گی، اور دوسری کو یاد دہانی کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ یوں ادائے شہادت مکمل ہوجائے اور جو مسئلہ تھامدعی کا حق یااس کا دعویٰ اس بارے میں بھی قاضی کا ذہن واضح ہوجائے گااور حق دار کو حق مل جائے گا۔

ب: دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ دونوں عورتوں کا تعلق مؤخر الذکر طبقہ سے ہو تو پھر صورت یہ ہوگی کہ وہ اللہ کی دی ہوئی رعایت کا پورا پورا فائدہ اٹھائیں گی اور ایک دوسرے کو یاد کراتی رہیں گی اور قاضی کو سمجھنے میں آسانی ہوگی اور حق دار کو اس کا حق مل جائے گا۔

یہ ایک عملی صورتِ حال سے نمٹنے کا عملی طریقہ ہے۔ مردوں کو یہ رعایت اس لیے نہیں دی گئی کہ مردوں کے معاشرتی لحاظ سے کوئی طبقے نہیں ہیں۔ مردوں میں معاشی، علاقائی، ذہنی، مذہبی تفاوت ہوسکتا

ہے لیکن ساری دنیا کے مرد معاشرے کے لحاظ سے ایک ہی درجہ میں آتے ہیں۔ جبکہ عورت کے واضح طور پر ساری دنیا میں دو طبقے موجود ہوتے ہیں جو کہ پہلے بیان کیے جاچکے ہیں۔

ثالثاً: اس ضمن میں ہم ایک سنگین غلط فہمی کا ازالہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں، جس کا تعلق براہِ راست اس آیت کے اس جملے سے جوڑا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس آیت کا غلط طریقہ سے مفہوم یہ سمجھ جانا کہ کیونکہ عورت آدھی عقل والی ہے اسی لیے اس کی آدھی گواہی رکھی گئی ہے اور بعض کو اس آیت کا اپنے اس قیاس پر دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ عورت ہے ہی کم عقل۔ اگر کم عقل نہ ہوتی تو اس کی آدھی گواہی کیوں رکھی جاتی۔

ہماری دانست میں یہ انتہائی غلط اندازِ فکر ہے کیونکہ اگر اس آیت قرآنی کو بنیاد بنا کر عورت کو مرد کی نسبت کم عقل ثابت کیا جائے یا عورت کو آدھی عقل والا کہا جائے اور دلیل کے طور پر یہ آیت پیش کی جائے تو بہت خرابی پیدا ہو گی یعنی اگر اس کو اللہ کا حکم اور قرآن کا فیصلہ سمجھا جائے کہ عورت آدھی عقل والی ہے تو مندرجہ ذیل دشواریاں سامنے آنے کا اندیشہ ہے:

الف: یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر جرم کا مجرم کی نیت یا ارادے (criminal intention) پر انحصار ہوتا ہے۔

ب: نیز یہ اگر ارادہ (intention) نہ ہو تو جرم کی نوعیت بدل جاتی ہے۔

ج: نیت یا ارادہ (intention) کا براہِ راست تعلق انسانی سوچ یا عقل سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی قانون میں اور دنیاوی دونوں قوانین میں پاگل پر کوئی مجرمانہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ بالفاظ دیگر اگر کوئی پاگل کسی انسان کو جان سے مار ڈالے تو اس کی وہ سزا نہیں جو مکمل صحیح العقل قاتل کی ہوتی ہے اور اس کی وجہ صرف پاگل میں عقل کی کمی ہے کہ اوسط انسان سے اس میں عقل کم ہوتی ہے لہٰذا اسے مکمل عقل رکھنے والے کے برابر کا ذمہ دار نہیں ٹھرایا جاسکتا۔

یوں انسانی عقل کا براہِ راست تعلق اس کی مجرمانہ ذمہ داری (criminal liability) سے ہے لہٰذا اس بنیاد پر یہ کلیہ بآسانی بن سکتا ہے کہ انسانی معاشرہ میں عاقل بالغ مرد کی مکمل ذمہ داری ہے اور پاگل شخص کی سب سے کم مجرمانہ ذمہ داری اور مکمل عاقلہ بالغہ عورت کی ایک مکمل عاقل بالغ مرد کے مقابلے میں نصف مجرمانہ ذمہ داری ہے کیونکہ اس کی عقل فطری طور پر کم ہے۔ لہٰذا جس جرم کی سزا مرد کے

لیے اسّی (۸۰) درّے ہیں عورت کے لیے چالیس (۴۰) ہونے چاہئیں اور جس کی سزا سو (۱۰۰) درّے ہیں اس کی پچاس (۵۰)۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جرم کی سزا مرد و عورت کی برابر رکھی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ اس نے عورتوں سے ناانصافی کی ہے کہ ان کو مردوں کے مقابلے میں آدھی عقل بھی دی اور مجرمانہ ذمہ داری میں ان کو برابر کا شریک ٹھرایا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم غلط سوچتے اور سمجھتے ہیں۔ اصل حقیقت یہی ہے کہ عورت عقلی لحاظ سے مرد کے صدفی صد مساوی ہے۔یوں اس آیت سے عورت کی عقل آدھی ثابت کرنا نہایت سنگین غلطی ہے۔

۱۰. جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ آیت معاشرتی احکام بیان کر رہی ہے، کوئی عدالتی یا ریاستی فرائض بیان نہیں کر رہی۔ یعنی ان پر عمل کر لینا انسان کے اپنے فائدے میں ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص قرض کا لین دین کرتا ہے اور اس کو سرے سے لکھتا ہی نہیں تو وہ گناہگار نہیں ہوگا۔ ہاں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی اختلاف یا جھگڑے کی صورت میں نقصان میں وہ خود رہے گا۔ بعینہٖ اگر تحریری معاہدہ کر لیا جاتا ہے اور دستاویز بھی تیار ہو جاتی ہے لیکن اس پر گواہ نہیں ہوتے تب بھی اس شخص کا نقصان ہوگا۔ اگر مسئلہ بگڑ جاتا ہے اور بات عدالت تک پہنچتی ہے یعنی ایسی دستاویز پر گواہان کا ہونا یا ان کا بیان کردہ تعداد میں ہونا

فرض نہیں۔ یہاں پر امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے لیکن بشمول امام شاشی رحمۃ اللہ علیہ اصول فقہ کی روشنی میں اس صیغہ امر سے فرضیت مراد نہیں۔ یہ ارشاد کے زمرے میں آتا ہے۔ اگر کوئی دو مردوں کو یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ کرلے تو یہ اس کا فائدہ ہے، وجوب یا فرض نہیں ہے۔ اللہ کی طرف سے یہاں امر کا صیغہ ارشاد کی تعریف میں ہے جو کہ دنیاوی امور کی سوجھ بوجھ دینے کے لیے استعمال کیا گیا ہے، ضروری یا لازم نہیں۔

آٹھواں جملہ :

﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا﴾

ترجمہ : اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت وہ بلائے جائیں۔

اس جملہ کے دو معنی لیے جاسکتے ہیں۔ایک عمومی جو کہ پہلے بیان کیے جاچکے ہیں اور دوسرے اس آیت کے سیاق وسباق کے حوالے سے کہ جو افراد لین دین کی دستاویز کے گواہ ہوں وہ جب قاضی کے سامنے عدالت میں طلب کیے جائیں تو لیت ولعل سے کام مت لیں۔ اس کا اطلاق دیگر دیوانی معاملات کی دستاویز کی شہادتوں پر بھی ہوسکتا ہے۔

نواں جملہ :

﴿وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ﴾

ترجمہ : اور کاہلی نہ کرو اس کے لکھنے سے، معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس کی میعاد تک۔

اس جملہ میں بھی اللہ تعالیٰ وہی معاشرتی احکام بیان فرمارہے ہیں جو کہ لین دین انسانی فائدے کے لیے ہیں کہ میعادی لین دین کا لکھ لینا ہی بہتر ہے۔ جو لوگ تجارت کے ماہر سمجھے جاتے ہیں ان کا ایک مقولہ مشہور ہے کہ "کاغذ پر لکھ پیچھے دے، بھول پڑے تو کاغذ سے لے"۔ یہی کلیہ قرآن کریم بیان کر رہا ہے لین دین کو لکھنے میں تساہل سے کام نہ لیا کرو چاہے وہ کم ہو یا زیادہ اسی میں بہتری ہے۔

دسواں جملہ :

﴿ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا﴾

ترجمہ :اس میں پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ

سودا ہو ہاتھوں ہاتھ لیتے دیتے ہو اس کو آپس میں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اس کو نہ لکھو۔

اس جملہ سے سارا مضمون واضح ہو جاتا ہے کہ لین دین کا معاملہ لکھ لینا اور اس پر گواہ کر لینا لازم (compulsory) تو نہیں ہے۔ ایسا کر لینا اللہ کو پسند ضرور ہے اور اسی میں انسان کی بہتری ہے۔ اسی جملہ میں لکھنے اور اس پر گواہ کرنے کا اصل دنیاوی، معاشرتی اور کاروباری مقصد بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ ﴿أَلَّا تَرْتَابُوا﴾ کہ کہیں تم کسی شبہ میں نہ پڑ جاؤ، کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے، کوئی الجھاؤ نہ پیدا ہو جائے کیونکہ گواہان اور دستاویز کی موجودگی میں شبہ کا ازالہ ہو سکتا ہے اور اصل حقیقت تک پہنچنا آسان بات ہے۔

ساتھ ہی یہ بیان بھی فرمادیا کہ روز مرہ کے لین دین اور تجارت میں ضروری نہیں ہے کہ دستاویزی شکل دی جائے کیونکہ وہ معاملہ تو ایک ہاتھ دو اور دوسرے ہاتھ لو کا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایات لکھنے کی ان معاملات میں ہیں جو کہ میعادی ہوں اور جھگڑے کی صورت میں تشریح طلب ہوں۔

گیارہواں جملہ :

﴿وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾

ترجمہ : اور خرید و فروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو۔

اس جملہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ روز مرہ کی خرید وفروخت میں بھی زبانی گواہ کرلینا بہتر ہے یہاں تعداد گواہان یا جنس گواہان کے بیان نہ کرنے سے ایک اہم نکتہ واضح ہوتا ہے کہ ایک ہی آیت میں اللہ تعالیٰ بظاہر دو مختلف احکام کیوں دے رہے ہیں؟ تو اس کا ظاہری جواب یہ بنتا ہے کہ اس سے ما قبل نویں جملہ کا اطلاق اس جگہ اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ ایک خصوصی اور استثنائی حکم ہے جو کہ صرف دستاویز پر شہادت کے لیے ہے اور اگر ہم دسویں اور گیارہویں جملہ کو ملا کر پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ دسویں جملہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روز مرہ تجارت کو اگر ضبط تحریر میں نہ لایا جائے تب کوئی حرج نہیں لیکن اس کو تحریری شکل نہ دینے کے باوجود اس پر گواہ کرلینا بہتر اور فائدہ مند امر ہے۔ یوں معلوم ہوا کہ عام معاملات میں اللہ نے گواہوں کی تعداد اور ان کی جنس کی کوئی قید نہیں رکھی ہے۔ صرف گواہ کا عمومی لفظ استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق سب پر کیا جاسکتا ہے۔ اس کا مفہوم مخالف یہ نکلا جیسا کہ پہلے بیان کیا کہ حکم میں موجود نواں جملہ ایک خصوصی اور استثنائی حالت ہے جس کا اطلاق انہی حالات میں ہے جو کہ دستاویز پر شہادت کے ضمن میں بیان کی جاچکی ہیں۔

بارہواں جملہ:

﴿وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيدٌ﴾

ترجمہ: اور کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جاوے اور نہ کسی گواہ کو۔

اس جملہ سے اللہ تعالیٰ اس آیت کا بیان کردہ حکم کا اختتام فرمارہے ہیں اور دستاویز لکھنے والے شخص اور گواہان کے حقوق اور ان کی ذات کو محفوظ کر رہے ہیں اس جملہ سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ مکمل آیات دستاویز پر شہادت کے بارے میں عدالتی شہادت کے بارے میں نہیں کیونکہ پہلے دستاویز لکھنے والے اور دستاویز کے گواہ ہونے والے دونوں افراد کو واضح طور پر تنبیہ فرمائی جاچکی ہے کہ وہ کسی قسم کی ڈنڈی نہ ماریں اور حق گوئی سے کام لیں۔ اب دوسرے لوگوں کے شر سے ان دونوں کو محفوظ فرمایا جارہا ہے کہ کوئی مخالف فریق ان دونوں پر زبردستی نہ کرے اور نہ ان پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کاتب دستاویزات لین دین کو حکم دیا ہے کہ وہ کسی کو منع نہ کریں اور گواہوں کو بھی کہا ہے کہ جب وہ بلائے جائیں تو عدالت میں حاضری دیں۔ لہٰذا لوگوں کو بھی منع فرمایا جارہا ہے کہ ان دونوں کو تنگ مت کریں اور کسی قسم کا ضرر نہ پہنچائیں۔

تیرہواں جملہ :

﴿وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ﴾

ترجمہ : اور اگر تم ایسا کروگے تو اس میں تم کو گناہ ہوگا۔

یہاں یہ غور طلب مسئلہ ہے کہ معاملہ کا لکھنا اور اس پر گواہ کرنا مستحب ہے یعنی اگر ایسا نہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن دستاویز کے کاتب اور اس کے گواہ کو

ضرر پہنچانا گناہ ہے کہ انسان فاسق ہو جاتا ہے اور سخت وعید فرمائی گئی ہے۔

چودھواں جملہ :

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾

ترجمہ : اور خدا تعالیٰ سے ڈرو۔

یہ جملہ عمومی معانی میں بھی ہے اور سابقہ جملے سے متصل بھی ہے کہ کاتب دستاویز اور اس کے گواہ کو ضرر پہنچانے والوں سے مخاطب ہے کہ اللہ سے ڈرو اور ایسا برا فعل مت کرو۔

پندرھواں جملہ :

﴿وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ﴾

ترجمہ : اور اللہ تعالیٰ (کا تم پر احسان ہی ہے کہ) تم کو تعلیم فرماتا ہے۔

آیت کے اس جملے سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ پوری آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ سکھایا ہے کہ معاشرت میں لین دین کے احسن طریقے کیا ہیں کہ جن میں انسان کا فائدہ ہے۔ اس آیت میں مجموعی طور پر کوئی فرائض بیان نہیں کیئے گیئے نہ ہی کسی فرض یا واجب کی بحث ہے۔

سولھواں جملہ :

﴿وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ﴾

ترجمہ : اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

یہاں یہ قرآن کی طویل ترین آیت ختم ہو جاتی ہے اور اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ کی ذات پاک ہر حقیقت کو بخوبی جانتی ہے۔ ہر شے اس کے علم میں ہے کہ معاملے کی اصل کو وہ خوب جانتا ہے۔

باب ششم

شہادت کی اقسام

باب ششم

شہادت کی اقسام

اس کتاب میں اب تک کی بحث کو واضح طور پر سمجھنے کے لیے دو نہایت اہم باتیں سمجھ لینا ضروری ہیں۔ اور وہ ہیں واقعاتی شہادت اور کسی دستاویز پر حاشیہ کی گواہی میں فرق۔ اور ثانیاً حقوق اللہ اور حقوق العباد کے معاملات میں شہادت کا فرق۔

۱۔ واقعاتی گواہ:

واقعاتی گواہ سے مراد ہے کہ کسی حادثاتی واقعہ یا ویسے ہی کسی واقعہ کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کسی شخص کا عدالت میں آکر گواہی دینا۔ انگریزی قانون میں ایسے بیان کو جو کہ عدالت میں کوئی شخص کسی زیر بحث نکتہ کے متعلق دیتا ہے (oral evidence) کہتے ہیں۔ واقعاتی گواہ کوئی شخص اپنی مرضی سے نہیں بنتا بلکہ حادثاتی طور پر بن جاتا ہے جو کہ اس کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی بھی واقعہ یا جرم کسی بھی شخص عورت یا مرد کے سامنے ان کی مرضی کے بغیر ہو سکتا اور اور وہ اس کا گواہ بن جاتا ہے چاہے وہ اکیلا ہو یا ایک سے زیادہ ہوں۔ اب جبکہ کوئی شخص کسی واقعہ کا گواہ ہو گیا تو پھر وہ عدالت میں خود سے جاکر یا عدالت کے بلائے جانے پر گواہی دے گا۔

۲۔ دستاویز پر حاشیہ کی گواہی:

جب بھی کوئی دستاویز تیار کی جاتی ہے تو اس کی تیاری کے بعد اس دستاویز پر عموماً دو گواہوں کے دستخط کرائے جاتے ہیں جو کہ اس دستاویز کے وجود اور اس

دستاویز میں بیان کردہ مواد کے گواہ ہوتے ہیں۔ نیز وہ اس بات کے گواہ ہوتے ہیں کہ وہ دستاویز کن، کب اور کیسے حالات میں تصنیف کی گئی اور اس کی تصنیف کرنے کا اصل منشاء کیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ ایسے گواہوں کو اصطلاحاً حاشیہ کے گواہ کہتے ہیں۔ انگریزی میں ان کو (marginal witnesses) بھی کہا جاسکتا ہے۔

قرآن پاک نے واقعاتی گواہ سے متعلق کسی مقام پر بھی عورت اور مرد میں کوئی تفریق بیان نہین فرمائی۔ جبکہ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ دستاویز پر حاشیہ کے گواہ سے متعلق ایک مخصوص لین دین کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے تفصیلاایک حکم واضح حکم بیان فرمایا ہے جس کی تشریح پہلے کی جاچکی ہے۔ جس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اس دین فطرت نے عورتوں کی اہمیت اور ان کی منزلت کی قدر کس کس طریقہ سے کی ہے کہ جہاں تک معاملہ ہے واقعاتی شہادت کا تواس میں انسان حادثاتی طور پر کسی واقعہ کا گواہ بن جاتا ہے لہٰذا عورت اور مرد کی تخصیص بے سود اور بے معانی ہے۔ لیکن جہاں یہ بات انسان کے اپنے اختیار میں دی گئی ہے کہ خود کسی کو کسی معاملہ کا گواہ بنائے تو وہاں اس دین متین نے عورتوں پر مردوں کی نسبت کم ذمہ داری ڈالی ہے، جیسا کہ پہلے کتاب کی ابتداء میں بیان کیا جاچکا ہے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں شہادت کا فرق

تمام مذاہب کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ عدالت میں شہادت آنے سے پہلے کوئی دعویٰ ہونا لازمی ہے (۹۶)

لیکن یہ بات تمام فقہاء کے نزدیک صرف حقوق العباد کے معاملات تک محدود ہے۔ یعنی ایسے مسائل جن میں کوئی حقوق العباد شامل ہو جیسے لین دین کا معاملہ، آجر واجیر کا مسئلہ، تو ایسے معاملات اگر عدالت تک پہنچیں اور گواہ طلب کئے جائیں تب گواہی دینا فرض ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا﴾ (۹۷)

ترجمہ: اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب وہ گواہ بننے کے لیے بلائے جائیں۔

ایک متفق علیہ حدیث مبارکہ بھی پیش خدمت ہے:

قال البخاری - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا جَمْرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي زَهْدَمُ

۹۶۔ (دیکھئے: بدائع الصنائع: ا، (۲۷۷)، ج ٦۔ الاشباہ والنظائر للامام السیوطی، ص ۵۲۰، المغنی لابن قدامہ، ج ۹، ص ۲۱۵، المحلیٰ لابن حزم، ج ۹، ص ۹۲۹۔ شرائع الاسلام، ج ۲، س ۲۱۵۔ مجلۃ احکام العدلیۃ، دفعہ ۱۰۲، ٦۹٦، ا۔ رد المختار، ج ۲، ص ۲۱۲۔ اور کشاف القناع، ج ۴، ص ۲۴۲)

۹۷۔ البقرۃ: ۲۸۲

بْنُ مُضَرِّبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "خَيْرُكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ - قَالَ عِمْرَانُ: فَمَا أَدْرِي: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ قَوْلِهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلاَثًا - ثُمَّ يَكُونُ بَعْدَهُمْ قَوْمٌ يَشْهَدُونَ وَلاَ يُسْتَشْهَدُونَ، وَيَخُونُونَ وَلاَ يُؤْتَمَنُونَ، وَيَنْذُرُونَ وَلاَ يَفُونَ، وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ" (۹۸)

ترجمہ: امام بخاری کہتے ہیں کہ: ہم سے مسدد نے بیان کیا، ان سے یحییٰ نے، ان سے شعبہ نے بیان کیا، کہا مجھ سے ابو حمزہ نے بیان کیا، کہا ہم سے زہدم بن مضرب نے بیان کیا، کہا کہ میں نے عمران بن حصین سے سنا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، اس کے بعد ان کا جو اس کے قریب ہوں گے۔ اس کے بعد وہ جو اس سے قریب ہوں گے۔ عمران نے بیان کیا کہ مجھے یاد نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ کے بعد دو کا ذکر کیا تھا یا تین کا (فرمایا کہ) پھر ایک ایسی قوم آئے گی جو نذر مانے گی اور اسے پورا نہیں کرے گی، خیانت کرے گی اور ان پر اعتماد نہیں رہے گا۔ وہ گواہی دینے کے لیے تیار رہیں گے جب کہ ان سے گواہی کے لیے کہا بھی نہیں

۹۸۔ صحیح البخاری (ج۸/ص۹۱) حدیث نمبر: ۶۴۲۸

جائے گا اور ان میں مٹاپا عام ہو جائے گا۔

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات نہایت واضح ہو جاتی ہے کہ عدالت کی یا کسی فریق مقدمہ کے بلائے بغیر گواہی دینا درست نہیں ہے۔

لیکن اس کے برعکس تمام فقہاء اس بات پر بھی متفق نظر آتے ہیں کہ ایسے معاملات جو کہ حقوق اللہ کے زمرے میں آتے ہیں، ان میں گواہی دینا فرض ہے اور گواہ بغیر مقدمہ کے بھی گواہی دے سکتا ہے۔ بلکہ اس کو گواہی دینی چاہئے۔ (۹۹)

اور ایک جگہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ، أَوْ يُخْبِرُ بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا» (۱۰۰)

ترجمہ: کیا میں تمہیں سب سے بہترین گواہ کے بارے میں نہ بتاؤں کہ وہ ایسا ہوتا ہے کہ جو پوچھے جانے سے قبل خود گواہی دے دے۔

حقوق اللہ سے مراد تمام حدود کے جرائم اور دیگر جرائم وغیرہ مراد ہیں۔ اب یہ بات واضح ہوئی کہ ایسے واقعات و معاملات جن میں عموماً اپنی رضامندی یا مرضی

۹۹۔ (بدائع الصنائع، ج ۶، ص ۲۷۷۔ رد المختار، ج ۵، ص ۴۶۳۔ معین الحکم، ص ۱۳۱۔ جامع الفصولین، ج ۱، ص ۱۲۳۔ الاشباہ لابن نجیم، ص ۷۹۔ التاج المذاہب، ج ۴، ص ۱۰۹۔ الوجیز، ج ۲، ص ۱۵۳)

۱۰۰۔ سنن ابی داود (۳۰۵/۳) (ابوداؤد، الترمذی، مسلم)

سے گواہ نہیں بنتا، ان میں گواہی کی تو یہ اہمیت بیان ہو رہی ہے کہ اگر معاملہ عدالت میں موجود نہ بھی ہو تب بھی گواہی دینی چاہئے جیسے جرائم حدود وغیرہ یعنی بطور مدعی یا مستغیث۔ لیکن اگر مسئلہ حقوق العباد سے متعلق ہے یا دیوانی نوعیت کا ہے جو کہ عموماً ایسے معاملات ہوتے ہیں جن میں گواہ جو ہیں وہ مرضی سے بنائے جاسکتے ہیں۔ ان میں کسی شخص کو بن بلائے یا عدالت کی اجازت و مرضی کے بغیر گواہی دینے کی اجازت نہیں۔

اب ہم اگر اس بات کو سمیٹیں تو معاملہ کچھ یوں بنے گا کہ فوجداری (criminal) نوعیت کے معاملات جو کہ حقوق اللہ کی تعریف میں آتے ہیں، اس میں گواہی دینا واجب ہے اور یہ بات ان جرائم اور حقوق اللہ کی اسلامی معاشرہ میں اہمیت کے پیش نظر کی جارہی ہے۔ لہٰذا ان معاملات میں عورت اور مرد کی تخصیص بے معنی نظر آتی ہے۔ اگر روایتی نکتہ نظر مان لیا جائے تو مطلب یہ بنا کہ اگر کوئی شخص کسی اکیلی عورت کے سامنے کوئی جرم کر جائے یا کسی بھی حقوق اللہ کی خلاف ورزی کر دے تو وہ عورت محض اس لیے عدالت یا قاضی کے علم میں یہ واقعہ نہیں لاسکتی کہ اولاً تو وہ عورت ہے اور ثانیاً کہ وہ اکیلی ہے۔

بظاہر یہ بات قرین انصاف نہیں ہے اور نہ ہی عقل سلیم اس کو تسلیم کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر تو یہ کہ نہ ہی اللہ تعالی نے قرآن میں کسی نص قطعی میں یہ بات فرمائی ہے کہ کوئی عورت صرف عورت ہونے کی وجہ سے حقوق اللہ کے معاملات میں گواہ نہیں ہوسکتی۔

رہا مسئلہ حقوق العباد کا تو اس کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ کیونکہ عموماً حقوق العباد کے معاملہ میں لوگوں کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ گواہ اپنی مرضی کے رکھ سکیں تو اسلام نے عورت کا احترام مدّ نظر رکھتے ہوئے اس سے یہ ذمہ داری کم کردی ہے۔ اور ان معاملات میں بھی قرآن نے ایک خاص معاملہ میں عورتوں کی گواہی کی ایک استثنائی (exceptional) صورت تفصیلا بیان فرمادی ہے جس کی بحث گزشتہ ابواب موجود ہے۔ ویسے بھی استثنائی حالات اس ہی وقت بیان کیے جاتے ہیں جبکہ اصل کچھ اور ہو۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اسلام میں عورت اور مرد کی گواہی میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں یکساں اور مساوی ہیں۔
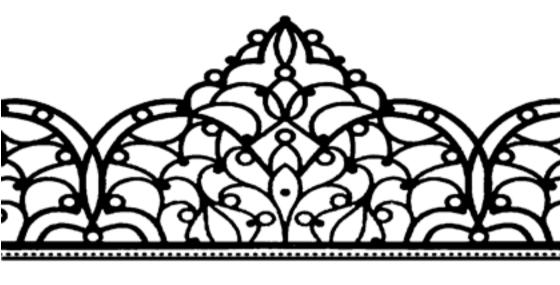
اختتامیہ

اختتامیه

وہ حضرات جو اس کتاب میں موجود دلائل کو پڑھنے کے باوجود اس رائے پر قائم ہوں کہ عورت ناقص العقل ہے کیونکہ اسکی گواہی آدھی ہے۔ ان سے درخواست ہے کہ اس وسیع ذخیرہ احادیث پر بھی ذرہ غور فرمائیں جس پر ہمارے دین، نبی کریم ﷺ کی سنت کی اساس قائم ہے۔ اور جس ذخیرہ کو ہمارے اسلاف نے کس جاں فشانی، عرق ریزی، ایمانداری اور محنت سے جمع کیا اور ہم تک پہنچایا اس عظیم الشان ذخیرہ احادیث میں کتنی ایسی روایات ہیں جو کہ خواتین صحابیات سے مروی ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ علماء اور محدثین نے احادیث کے متن اور اسکی سند کی حفاظت کا کتنا اہتمام کیا ہے۔ اس ضمن میں علم الرجال جو کہ ایک مستقل علم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کے ذریعے ہمیں آج بھی صدیوں بعد دسیوں ہزاروں روایات، راویانِ حدیث کے حالاتِ زندگی اور معمولات کا علم ہوتا ہے کہ وہ کتنے ثقہ تھے یا نہیں تھے انکے طور اطوار کیا تھے۔ حد تو یہ کہ اگر کسی کا حافظہ کمزور تھا تو اسکا حال بھی کتب احادیث اور ان کی شروح میں موجود ہے لیکن ہمیں کسی ایک محدث یا عالم کی رائے یہ نہیں ملی کہ انہوں نے کسی روایت کو اس لئے رد کیا ہو کہ وہ کسی خاتون سے مروی ہے ! اور کیونکہ عورت ناقص العقل ہے لہٰذا اس سے روایت بھی نہیں مانی جاسکتی !

اس کتاب کو ختم کرنے سے قبل ہم ایک امر کی وضاحت کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ چونکہ یہ کتاب اسلامی قانونِ شہادت کے وسیع موضوع کے صرف ایک مخصوص نکتہ یا مسئلہ پر تحریر کی گئی ہے لہٰذا اس میں شہادت سے متعلق تفصیلی ابحاث سے دانستہ اجتناب کیا گیا ہے۔ نہ تو شہادت سے متعلق تمام اصطلاحات بیان کی گئی ہیں اور نہ ہی ان تمام کو بیان کرنا موضوع کے اعتبار سے مناسب ہوتا۔ نیز جن اصطلاحات کو بھی بیان کیا گیا ہے اور جن ذیلی موضوعات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے، ان کو اس کتاب کے اصل موضوع یعنی "عورت کی گواہی" کو ہی مدِ نظر رکھ کر کیا گیا ہے۔

مزید بر آں یہ کہ یہ کتاب عام قاری کو مدِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ لہٰذا عالمانہ اور فقہ کی طویل بحثوں سے قدرے اجتناب کیا گیا ہے۔ نیز اس کتاب کے لکھنے کا اصل مقصد ان لوگوں تک اپنا پیغام اور نکتہ نظر پہنچانا مقصود ہے جو کہ دین اسلام کے دروازوں پر صدیوں پرانا قفل لگائے بیٹھے ہیں اور اس دروازے میں نہ تو خود داخل ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو داخل ہونے کی اجازت ہی دیتے ہیں۔

اسلام ایک زندہ اور جاوید مذہب ہے۔ جمود اور سکوت اس کی فطرت کے خلاف ہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہرگز نہیں کہ ہم اپنی اصل سے رشتہ و ناطہ توڑ لیں یا ایک روایت جو کہ چلی آرہی ہے اس کا تسلسل توڑ دیں۔ لیکن اس روایت کو آگے بڑھانا بھی ہمارا فرض ہے۔

جیسا کہ ابتدائی صفحات میں یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ یہ کتاب نیک نیتی سے لکھی جارہی ہے اور اللہ سے یہ دعا کر کے لکھی جارہی ہے کہ اس کی ذات پاک ہماری رہنمائی فرمائے۔ آمین یارب العالمین !

اَللّٰھُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حقاً، وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ، وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً، وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَہٗ

ترجمہ : اے ہمارے اللہ ہمیں حق کو حق سمجھنے کی توفیق عطا فرما اور اس کی پیروی کی بھی توفیق عطا فرما نیز ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم غلط کو غلط جان لیں اور اس سے اجتناب کریں۔ آمین !

شخصیات

نمبر	نام	وفات
	تابعین وائمہ	
۱.	ابوآلیہ؛ شریح بن الحارث بن قیس بن الجہم الکندی القاضی	۷۸ھ
۲.	مکحول بن ابی مُسْلِم شہراب بن شاذل، ابو عبد اللہ، الہذلی بالولاء : فقیہ الشام	۱۱۲ھ
۳.	ابن ابی رَبَاح ؛ عطاء بن اسلم بن صفوان	۱۱۴ھ
۴.	ابو عبد اللہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری الکوفی	۱۶۱ھ
	حنفی ائمہ وفقہاء	
۵.	ابو حنیفۃ نعمان بن ثابت ،	۱۵۰ھ
۶.	شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳ھ
۷.	ابو بکر بن مسعود کاسانی	۵۸۷ھ
۸.	ابو الحسن علی بن احمد بن ابی بکر مرغینانی	۵۹۳ھ
۹.	ابو بکر بن علی حداد	۸۰۰ھ
۱۰.	محمد شہاب الدین بن بزار کردی	۸۲۷ھ
۱۱.	بدر الدین محمود احمد عینی	۸۵۵ھ
۱۲.	کمال الدین بن ھمام	۸۶۱ھ
۱۳.	زین الدین بن نجیم صاحب بحر الرائق	۹۷۰ھ
۱۴.	علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی	۱۰۸۸ھ
۱۵.	ملا نظام الدین فتاوی عالم گیری	۱۱۶۱ھ
۱۶.	سید محمد امین ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
	شافعی ائمہ وفقہاء	
۱۷.	شافعی ابو عبد اللہ محمد بن ادریس المطلبی القرشی المکی	۲۰۴ھ

۱۸.	ابو اسحاق شیرازی	۴۵۵ھ
۱۹.	امام محمد بن محمد غزالی،	۵۰۵ھ
۲۰.	یحیٰ بن شرف نووی	۶۷۶ھ
۲۱.	جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ
	ملکی ائمہ وفقہاء	
۲۲.	مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی،	۱۷۹ھ
۲۳.	خلیل بن اسحاق مالکی	۵۹۵ھ
۲۴.	ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر الانصاری الخزرجی شمس الدین القرطبیؒ	۶۷۱ھ
۲۵.	شمس الدین محمد بن عرفہ	۱۲۱۹ھ
	حنبلی ائمہ وفقہاء	
۲۶.	ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد الشیبانی	۲۴۱ھ
۲۷.	علامہ موفق الدین بن عبد اللہ بن احمد بن قدامہ	۶۲۰ھ
۲۸.	جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی،	۵۹۷ھ
۲۹.	شیخ ابو العباس تقی الدین بن عبد الحلیم (ابن تیمیہ)	۷۲۸ھ

کتابیات

القرآن الکریم

البقرۃ: ۲۸۲، البقرۃ: ۲۸۳، آل عمران: ۱۸، النساء: ۶، النساء: ۱۶، النساء: ۱۵، النساء: ۱۳۵، النساء: ۱۶۶، المائدۃ: ۸، المائدۃ: ۱۰۶، یوسف: ۲۵ ــ ۲۸، الحج: ۲۸، النور: ۲، النور: ۴، النور: ۵، النور: ۶ ــ ۱۰، الفرقان: ۷۲، الزمر: ۹، الحجرات: ۶، الحشر: ۲۲، المعارج: ۳۳-۳۵

۱. الاشباہ لابن نجیم، الْاَشْبَاہُ وَالنَّظَائِرُ عَلَی مَذْہَبِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ النُّعْمَانِ، المؤلف: زین الدین بن ابراہیم بن محمد، المعروف بابن نجیم المصری (المتوفی: ۹۷۰ھ) وضع حواشیہ وخرج احادیثہ: الشیخ زکریا عمیرات، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت - لبنان

۲. الاشباہ والنظائر، المؤلف: عبد الرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین السیوطی (المتوفی: ۹۱۱ھ)، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ: الاولی، ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۰م

۳. اعلام الموقعین عن رب العالمین، المؤلف: محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد شمس الدین ابن قیم الجوزیۃ (المتوفی: ۷۵۱ھ)، تحقیق: محمد عبد السلام ابراہیم الناشر: دار الکتب العلمیۃ ــ بیروت، الطبعۃ: الاولی، ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۱م

۴. البحر الرائق شرح کنز الدقائق، المؤلف: زین الدین بن ابراہیم بن محمد، المعروف بابن نجیم المصری (المتوفی: ۹۷۰ھ)، وبالحاشیۃ: منحۃ الخالق لابن عابدین، الناشر: دار الکتاب الاسلامی

۵. بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، المؤلف: علاء الدین، ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی (المتوفی: ۵۸۷ھ) الناشر: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ: الثانیۃ، ۱۴۰۶ھ - ۱۹۸۶م

۶. بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، المؤلف: علاء الدین، ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی (المتوفی: ۵۸۷ھ) الناشر: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ: الثانیۃ، ۱۴۰۶ھ - ۱۹۸۶م

۷. تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق وحاشیۃ الشِّلْبِیِّ، المؤلف: عثمان بن علی بن محجن البارعی، فخر الدین الزیلعی الحنفی (المتوفی: ۷۴۳ھ)، الحاشیۃ: شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشِّلْبِیُّ (المتوفی: ۱۰۲۱ھ)، الناشر: المطبعۃ الکبری الامیریۃ - بولاق، القاہرۃ الطبعۃ: الاولی، ۱۳۱۳ھ

۸. تحفۃ الفقہاء، محمد بن احمد بن ابی احمد، ابو بکر علاء الدین السمرقندی (المتوفی: ۵۴۰ھ) الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت ــ لبنان الطبعۃ: الثانیۃ، ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۴ء

۹. جامع الفصولین، محمود بن اسرائیل بن عبد العزیز (ابن قاضی سماونہ)، ۸۲۳ھ-۱۴۲۰م.

۱۰. الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ = صحیح البخاری، المؤلف: محمد بن اسماعیل ابو عبداللہ البخاری الجعفی، المحقق: محمد زہیر بن ناصر الناصر، الناشر: دار طوق النجاۃ (مصورۃ عن السلطانیۃ باضافۃ ترقیم ترقیم محمد فؤاد عبد الباقی)، الطبعۃ: الاولی، ۱۴۲۲ھ

۱۱. در مختار

۱۲. الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ، المؤلف: ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی (المتوفی: ۸۵۲ھ)، المحقق: السید عبداللہ ہاشم الیمانی المدنی، الناشر: دار المعرفۃ - بیروت،

۱۳. رد المحتار علی الدر المختار، المؤلف: ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی (المتوفی: ۱۲۵۲ھ)، الناشر: دار الفکر - بیروت، الطبعۃ: الثانیۃ، ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۲م

۱۴. سنن ابی داود، المؤلف: ابو داود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السِّجِستانی (المتوفی: ۲۷۵ھ)، المحقق: محمد محیی الدین عبد الحمید، الناشر: المکتبۃ العصریۃ، صیدا - بیروت

۱۵. سنن ابی داود، المؤلف: ابو داود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السِّجِستانی (المتوفی: ۲۷۵ھ)، المحقق: محمد محیی الدین عبد الحمید، الناشر: المکتبۃ العصریۃ، صیدا—بیروت

۱۶. سنن الترمذی، المؤلف: محمد بن عیسی بن سَوْرۃ بن موسی بن الضحاک، الترمذی، ابو عیسی (المتوفی: ۲۷۹ھ)، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی — مصر، الطبعۃ: الثانیۃ، ۱۳۹۵ھ - ۱۹۷۵م

۱۷. السنن الکبری، المؤلف: احمد بن الحسین بن علی بن موسی الخُسْرَوْجِردی الخراسانی، ابو بکر البیہقی (المتوفی: ۴۵۸ھ)، المحقق: محمد عبد القادر عطا، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت — لبنات، الطبعۃ: الثالثۃ، ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳م

۱۸. صحیح مسلم؛ المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، المؤلف: مسلم بن الحجاج ابو الحسن القشیری النیسابوری (المتوفی: ۲۶۱ھ) المحقق: محمد فؤاد عبد الباقی، الناشر: دار احیاء التراث العربی — بیروت

۱۹. فتاویٰ عالمگیریہ یا فتاوی ہندیہ، زیر نگرانی بادشاہ عالمگیر، دار الاشاعت کراچی

۲۰. فتاوٰی ہندیۃ، نورانی کتب خانہ پشاور

۲۱. فتح القدیر، المؤلف: محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی الیمنی (المتوفی: ۱۲۵۰ھ)، الناشر: دار ابن کثیر، دار الکلم الطیب - دمشق، بیروت، الطبعۃ: الاولی - ۱۴۱۴ھ

۲۲. فکر و نظر، اپریل ۱۹۹۲ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

۲۳. الکافی فی فقہ اہل المدینۃ، المؤلف: ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبیؒ (المتوفی: ۴۶۳ھ)، المحقق: محمد محمد احید ولد مادیک الموریتانی، الناشر: مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، الریاض، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ

۲۴. کتاب التعریفات، المؤلف: علی بن محمد بن علی الزین الشریف الجرجانی (المتوفی: ۸۱۶ھ)، الناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت ـ لبنان، الطبعۃ: الاولی ۱۴۰۳ھ - ۱۹۸۳م

۲۵. الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، المؤلف: ابو بکر بن ابی شیبۃ، عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن خواستی العبسی (المتوفی: ۲۳۵ھ)، المحقق: کمال یوسف الحوت، الناشر: مکتبۃ الرشد ـ الریاض، الطبعۃ: الاولی، ۱۴۰۹ مصنف عبدالرزاق الصنعانی

۲۶. کشاف القناع عن متن الاقناع، المؤلف: منصور بن یونس بن صلاح الدین ابن حسن بن ادریس البہوتی الحنبلی (المتوفی: ۱۰۵۱ھ)، الناشر: دار الکتب العلمیہ،

۲۷. کتاب الام، المؤلف: الشافعی ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطلبی القرشی المکی (المتوفی: ۲۰۴ھ)، الناشر: دار المعرفۃ ـ بیروت، الطبعۃ: بدون طبعۃ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰م

۲۸. کنزالدقائق، قدیمی کتب خانہ کراچی

۲۹. لغات القرآن از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی، مکتبہ حسن سہیل، لاہور

۳۰. مترادفات القرآن، از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، مکتبۃ الاسلام، لاہور

۳۱. مجلۃ احکام العدلیۃ، دفعہ ۱۰۲، ۱،۶۹۶

۳۲. مجلّہ احکام عدلیہ، دفعہ ۱۱۸۵

۳۳. المحلی بالآثار، ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبیؒ الظاہری (المتوفی: ۴۵۶ھ) دار الفکر - بیروت

۳۴. مختصر القدوری، ابوالحسن محمد بن احمد القدووری البغدادی، مکتبۃ البشریٰ، کراچی

۳۵. المدونۃ، المؤلف: مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی (المتوفی: ۱۷۹ھ)، الناشر: دار الکتب العلمیۃ الطبعۃ: الاولی، ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۴م

۳۶. المستدرک علی الصحیحین، المؤلف: ابو عبداللہ الحاکم محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نُعیم بن الحکم الضبی الطہمانی النیسابوری المعروف بابن البیع (المتوفی: ۴۰۵ھ)، تحقیق: مصطفیٰ عبد القادر عطا، الناشر: دار الکتب العلمیۃ ـ بیروت، الطبعۃ: الاولی، ۱۴۱۱-۱۹۹۰

۳۷. مسند احمد، مسند الامام احمد بن حنبل، المؤلف : ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد الشیبانی (المتوفی : ۲۴۱ھ)، المحقق : شعیب الارنؤوط -عادل مرشد، وآخرون، اشراف : د عبد اللہ بن عبد المحسن الترکی، الناشر : مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ: الاولی، ۱۴۲۱ھ -۲۰۰۱م

۳۸. مسند الدارمی المعروف بـ (سنن الدارمی) المؤلف : ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن الفضل بن بَہرام بن عبد الصمد الدارمی، التمیمی السمرقندی (المتوفی : ۲۵۵ھ)، تحقیق : حسین سلیم اسد الدارانی، الناشر : دار المغنی للنشر والتوزیع، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، الطبعۃ: الاولی، ۱۴۱۲ھ -۲۰۰۰م شرح الوقایۃ

۳۹. معین الحکام فیمایتردد بین الخصمین من الاحکام، المؤلف : ابو الحسن، علاء الدین، علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی (المتوفی : ۸۴۴ھ)، الناشر : دار الفکر

۴۰. المغنی لابن قدامۃ، المؤلف : ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ الجماعیلی المقدسی ثم الدمشقی الحنبلی، الشہیر بابن قدامۃ المقدسی (المتوفی :۶۲۰ھ)، الناشر :مکتبۃ القاہرۃ،

۴۱. المغنی لابن قدامۃ، المؤلف : ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ الجماعیلی المقدسی ثم الدمشقی الحنبلی، الشہیر بابن قدامۃ المقدسی (المتوفی : ۶۲۰ھ) الناشر : مکتبۃ القاہرۃ، الطبعۃ: بدون طبعۃ، تاریخ النشر : ۱۳۸۸ھ - ۱۹۶۸م

۴۲. المفردات فی غریب القرآن، المؤلف : ابو القاسم الحسین بن محمد المعروف بالراغب الاصفہانی (المتوفی : ۵۰۲ھ)، محقق : صفوان عدنان الداودی، ناشر : دار القلم، الدار الشامیہ -دمشق بیروت، الطبعۃ: الاولی - ۱۴۱۲ھ

۴۳. المنجد، لویس معلوف، مترجم : ابو الفضل عبد الحفیظ بلیاوی، طبع : خزینہ علم وادب لاہور۔

۴۴. مواہب الجلیل لابی عبد اللہ محمد بن محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الطرابلسی المغربی، (۹۵۴ھ)، ناشر : دار النجاح طرابلس، لیبیا

۴۵. موسوعۃ الفقہ الاسلامی ، المؤلف : محمد بن ابراہیم بن عبد اللہ التویجری، الناشر : بیت الافکار الدولیۃ، الطبعۃ: الاولی، ۱۴۳۰ھ -۲۰۰۹م

۴۶. الہدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی، المؤلف : علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانی المرغینانی، ابو الحسن برہان الدین (المتوفی : ۵۹۳ھ)، المحقق : طلال یوسف، الناشر : دار احیاء التراث العربی - بیروت - لبنان

۴۷. الوجیز فی ایضاح قواعد الفقۃ الکلیۃ، المؤلف : الشیخ الدکتور محمد صدقی بن احمد بن محمد آل بورنو ابو الحارث الغزی، الناشر : مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت — لبنان الطبعۃ: الرابعۃ، ۱۴۱۶ھ - ۱۹۹۶م